شمارہ نمبر ۲۴

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

جولائی / ۲۰۲۲

دوماہی مجلّہ

الاجماع

* نماز کی "۲" رکعتوں میں قراءت کرنا فرض ہے۔
* صاحب مسند ابی حنیفۃ، حافظ طلحۃ بن محمد الشاہدؒ (م ۳۸۰ھ) صدوق، عادل ہیں۔
* کیا حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کا آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔
* نصر الرحمٰن فی توثیق الامام حماد بن ابی سلیمان۔
* کیا حماد عن ابراہیم النخعی کی سند ضعیف ہے؟؟؟

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

فہرست مضامین

نوٹ:

حضرات! ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اس رسالہ میں کتابت (ٹائپنگ) کی کوئی غلطی نہ ہو، مگر بشریت کے تحت کوئی غلطی ہو جانا امکان سے باہر نہیں۔ اس لئے آنحضرات سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ کتابت کی کسی غلطی پر مطلع ہوں تو اسے دامن عفو میں چھپانے کی بجائے ادارہ کو مطلع فرما دیں، تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جا سکے۔ جزاکم اللہ خیراً

ہمارا نظریہ

ہمیں کسی سے عناد و دشمنی نہیں ہے، حدیث میں نماز کے سلسلے میں متعدد روایتیں آئی ہیں۔ ایک پر اگر غیر مقلدین عمل کرتے ہیں تو ان سے کیوں لڑا جائے، جب کہ وہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ لیکن جب وہ حنفیوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث پر عمل نہیں کرتے قیاس پر عمل پیرا ہیں، تو اس وقت سوچو! کیسے خاموش رہا جائے اور یہ کیوں نہ بتایا جائے کہ حدیث پر تم سے زیادہ عمل کرنے والے ہم ہیں اور تم سے زیادہ حدیث جاننے والے ہم ہیں۔　　　　-محدث ابو المآثر، حبیب الرحمٰن اعظمیؒ (م ۱۴۱۲ھ)

بادلِ ناخواستہ

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فرقہ اہل حدیث اور دوسرے باطل فرقے اپنی تعلیمات اپنے سننے والوں میں بیان کرنے کی بجائے ہمیشہ دوسروں پر، اکثر غیر مناسب انداز میں اعتراض کرنے کو ترجیح دیتا ہے اور اہل حق علماء کو گمراہ اور کافر کہنے تک سے گریز نہیں کرتے، جس سے فتنہ برپا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے اس فتنے کو بند باندھنے کیلئے بادل ناخواستہ قلم اٹھانا پڑتا ہے، ورنہ ملکی اور عالمی حالات اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی صلاحتیں کہیں اور صرف ہوں۔

ادارہ: الاجماع فاؤنڈیشن

نماز کی "۲" رکعتوں میں قراءت کرنا فرض ہے۔

تحریر: فیصل کریم

نظر ثانی: مفتی آصف بن اسماعیل المدنی

قرأت یعنی نماز میں قرآن کا پڑھنا "۲" رکعتوں میں فرض ہے: چنانچہ ثقہ، حافظ الحدیث، ثبت، فقیہ، امام نعمان بن ثابت، ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ

ينبغي للأمام والذي يصلي وحده ان يقرأ في الركعتين الأوليين من كل صلاة بأم القرآن وسورة معها وأما (في) الركعتين الأخريين من العشاء والظهر والعصر والركعة الثالثة من المغرب فانه يقول ان شاء قرا في ذلك بفاتحة الكتاب وان شاء سكت ولم يقرأ شيئا وان شاء سبح وان يقرأ بفاتحة الكتاب أحب الينا۔

امام اور منفرد کے لئے ضروری ہے کہ ہر نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور کسی دیگر سورت کی تلاوت کرے، جبکہ عشاء، ظہر اور عصر کی اخیری دو رکعتوں اور مغرب کی تیسری رکعت کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ چاہے تو سورہ فاتحہ پڑھے چاہے خاموش رہے کچھ نہ پڑھے، چاہے تسبیح پڑھے، البتہ سورہ فاتحہ پڑھنا ہمیں زیادہ پسند ہے۔ (**الحجۃ علی اہل المدینۃ: ج۱: ص۱۰۶**)

- ثقہ، ثبت، امام ابوجعفر الطحاویؒ (م ۳۲۱ھ) کہتے ہیں کہ

وأفضل للإمام، والذي يصلي وحده أن يقرأ في الأخريين من الظهر والعصر والعشاء، وفي الثالثة من المغرب بفاتحة الكتاب، وإن شاء سبح، وإن شاء سكت۔

امام اور منفرد کے لئے افضل یہ ہے کہ ظہر، عصر اور عشاء کی اخیری دو رکعتوں اور مغرب کی تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھے، اور چاہے تو تسبیح پڑھے، چاہے خاموش رہے۔ (**مختصر الطحاوی: ص۲۸**)

- حافظ ابوبکر جصاص الرازیؒ (م ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ

فرض القراءة عندنا في ركعتين من الصلاة۔

نماز کی دو رکعتوں میں قراءت کرنا ہمارے نزدیک فرض ہے۔ (**شرح مختصر الطحاوی للجصاص: ج۱: ص۶۶۳**)

- الامام الکبیر، احمد بن منصور الاسبیجابیؒ (م بعد ۴۸۰ھ) فرماتے ہیں کہ

قال أصحابنا: القراءة فرض في الركعتين بغير أعيانهما إن شاء في الأوليين وإن شاء في الأخريين، وإن شاء في الأولى والرابعة، وإن شاء في الثانية والثالثة، وأفضلها في الأوليين۔

ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ غیر متعینہ طور پر دو رکعتوں میں قراءت کرنا فرض ہے، چاہے پہلی دو رکعتوں چاہے اخیری دو رکعتوں میں، چاہے پہلی اور چوتھی میں، چاہے دوسری اور تیسری میں، البتہ پہلی دو رکعتوں میں افضل ہے۔(**شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی** بحوالہ البنایۃ شرح الہدایۃ: ج ۲: ص ۵۲۳)

- حافظ ابوالحسین القدوریؒ (م ۴۲۸ھ) نے بھی یہی بات ''**شرح مختصر الکرخي**'' میں کہی ہے۔(بحوالہ **البنایۃ شرح الہدایۃ: ج ۲: ص ۵۲۳**)

- ملک العلماء، امام ابوبکر الکاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) فرماتے ہیں کہ

''**المفروض هو أصل القراءة عندنا من غير تعيين، فأما قراءة الفاتحة والسورة عينا في الأوليين فليست بفريضة ولكنها واجبة على ما يذكر في بيان واجبات الصلاة (وأما) بيان محل القراءة المفروضة فمحلها الركعتان الأوليان عينا في الصلاة الرباعية هو الصحيح من مذهب أصحابنا۔۔۔۔۔ وأما في الأخريين فالأفضل أن يقرأ فيهما بفاتحة الكتاب**''

غیر معینہ طور پر (یعنی سورہ فاتحہ یا کسی اور سورت کی تعیین کے بغیر) مطلق قراءت کرنا ہمارے نزدیک فرض ہے، البتہ سورہ فاتحہ اور کسی دیگر سورت کا معینہ طور پر پہلی دو رکعتوں میں پڑھنا یہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے، جیسا کہ واجبات نماز میں ذکر کریں گے، رہا فرض قراءت کی ادائیگی کی جگہ تو وہ چار رکعات والی نماز کی پہلی دو رکعتیں متعین ہیں، ہمارے اصحاب (کے مذاہب میں) کا صحیح مذہب یہی ہے،۔۔۔۔۔۔۔ رہی دوسری دو رکعتیں تو افضل یہ ہے کہ ان میں سورہ فاتحہ پڑھے۔(**بدائع الصنائع: ج ۱: ص ۱۱۰**)

اس تفصیل سے ''۴'' باتیں معلوم ہوئی: کہ

* نماز کی صرف ''۲'' رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔
* اور وہ ''۲'' رکعتیں، پہلی اور دوسری رکعت ہوگی۔
* نیز پہلی اور دوسری رکعت میں فاتحہ اور دوسری سورت کی قراءت کرنا واجب ہوگا، کیونکہ وہ واجبات نماز میں سے ہیں، اگر ان کو ترک کیا تو سجدہ سہو کرنا ہوگا۔[۱]
* پہلی ''۲'' رکعتوں میں قراءت کرنے کے بعد، باقی رکعتوں فاتحہ پڑھنا مسنون ہے۔

---

(۱) نماز میں صرف قراءت کرنے کا حکم تو فرض ہے، لیکن خاص پہلی اور دوسری رکعت میں قراءت کرنے کا حکم واجب ہوگا، اور یہ حکم میں فرق نص کے صحت کے تفاوت کی وجہ سے ہے۔

اب اس دلائل ملاحظہ فرمائیں:

- نماز کی صرف ''۲'' رکعتوں میں قراءت فرض ہے، اس کی دلیل ذکر کرتے ہوئے، مشہور فقیہ، امام عبداللہ بن محمود الموصلیؒ (م ۶۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ

''القراءة فرض في ركعتين لقوله تعالى: {فاقرءوا ما تيسر من القرآن}''

نماز کی ''۲'' رکعتوں میں قرات کرنا فرض ہے، اللہ کے ارشاد:

"فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ"

[قرآن میں سے جتنا میسر ہو پڑھو] کی وجہ سے۔(الاختیار لتعلیل المختار للموصلی: ج۱: ص۵۶)

- ملک العلماء، امام ابوبکر الکاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) فرماتے ہیں کہ

''(ولنا) قوله تعالى: {فاقرءوا ما تيسر من القرآن}، ومطلق الأمر للوجوب وقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: لا صلاة إلا بقراءة۔

اور ہماری دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے {فاقرءوا ما تیسر من القرآن} [قرآن میں سے جتنا میسر ہو پڑھو] اور مطلق امر وجوب کیلئے ہوتا ہے، نیز ہماری دلیل حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بلا قرآت کوئی نماز نہیں۔(بدائع الصنائع: ج۱: ص۱۱۰)

- حافظ ابو الحسین القدوریؒ (م ۴۲۸ھ) کہتے ہیں کہ

''لنا: قوله تعالى: {فاقرءوا ما تيسر من القرءان}، وقوله - صلى الله عليه وسلم -: (لا صلاة إلا بقراءة).

وظاهره يقتضي جواز الصلاة بالقراءة في ركعتين وفي ركعة واحدة لولا الدلالة''

اور ہماری دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ قرآن میں سے جتنا میسر ہو پڑھو، اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بغیر قراءت کے کوئی نماز نہیں، اور اس کا ظاہر یہ تقاضہ کرتا ہے کہ دو رکعت یا ایک رکعت میں قرآت کرنے سے بھی نماز ہو جائے، اگر دلالت نہ ہوتی۔(التجرید للقدوری: ج۲: ص۵۰۳)

- حافظ ابوبکر جصاص الرازیؒ (م ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ

''فأما الدليل على وجوب القراءة في الصلاة، فقول الله تعالى: فاقرءوا ما تيسر من القرءان، وظاهره الإيجاب''

نماز میں قرآت کے وجوب کی دلیل، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ قرآن میں سے جتنا میسر ہو پڑھو، اس کا ظاہر وجوب کا تقاضہ

کرتا ہے۔(شرح مختصر الطحاوی للجصاص: ج۱: ص۶۶۹)

اوراحادیث میں ہے:

- حضرت ابوسعید خدری ؓ کہتے ہیں:

"أمرنا أن نقرأ بفاتحة الكتاب و ما تيسر"

ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگ "فاتحة الكتاب" سورۂ فاتحہ اور جو میسر ہو پڑھیں۔(سنن ابی داود: حدیث نمبر ۸۱۸، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) اور حافظ ابن سید الناسؒ (م ۷۳۴ھ) نے اس کی سند صحیح کہا ہے، سنن ابی داود بتحقیق الأرنؤوط: ج۲: ص۱۱۲)

- نبی ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ:

"لا صلاة لمن لم يقرأ بأم القرآن فصاعدا"

اس شخص کی نماز نہیں، جس نے سورۃ الفاتحہ اور کچھ مزید نہیں پڑھا۔(صحیح مسلم: ج۱: ص ۲۹۴-۲۹۵)

- حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، اسی وقت ایک شخص بھی مسجد میں آئے، انہوں نے نماز پڑھی، پھر حضور ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا، اور فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ واپس گئے اور نماز پڑھی، پھر آکر سلام کیا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ شخص کہنے لگے: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں تو اس سے اچھی نماز نہیں جانتا، آپ ﷺ مجھے سکھلا دیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، "ثمّ اقرأ ما تيسّر معك من القرآن" پھر جو تم کو میسر ہو قرآن پڑھو، پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ تم اطمینان کے ساتھ جم کر رکوع کرو۔

<u>**نوٹ:**</u>

اس روایت میں ایک شخص کو نماز سکھائی جارہی ہے اور بار بار دہرایا جارہا ہے؛ یہاں تو ضروری تھا کہ سورۂ فاتحہ کے فرض ہونے کی طرف متوجہ کرتے؛ مگر آپ ﷺ نے صرف قرآن پڑھنے کا ذکر فرمایا۔

ثابت ہوا کہ سورہ فاتحہ فرض نہیں، بلکہ اصل قرأت فرض ہے، <u>**وہ بھی صرف "دو" رکعتوں میں،**</u> کیونکہ قرآن کی آیت "فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" کی تشریح میں حضرت ابوسعید الخدری ؓ کا قول "أمرنا أن نقرأ بفاتحة الكتاب و ما تيسر" اور نبی ﷺ کا ارشاد عالی: "لا صلاة لمن لم يقرأ بأم القرآن فصاعدا" ہیں، جیسا کہ ملک العلماء، امام ابوبکر الکاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) اور

حافظ الحدیث، امام القدوریؒ (م ۴۲۸ھ) کا حوالہ گزر چکا، یعنی "فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" سے مراد فاتحہ اور اس کے علاوہ دوسری اور سورت بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحفص الغزنویؒ (م ۷۷۳ھ) فرماتے ہیں کہ

"أن قول: {مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ} أعم من أن يكون فاتحة الكتاب أو غير ذلك كسورة الإخلاص والكوثر والعصر وغيرها كما أن الفاتحة متيسرة لهم فكذلك سورة الإخلاص فتعيين الفاتحة بالإرادة من الآية دون سورة الإخلاص وغيرها ترجيح بلا مرجح وتخصيص بلا مخصص وهو مكابرة ظاهرة"

اللہ تعالیٰ کا قول "قرآن میں سے جو میسر" عام ہے، چاہے وہ سورہ فاتحہ ہو یا کوئی سورت جیسے سورہ اخلاص، سورہ کوثر، وغیرہ، جیسے سورہ فاتحہ ان کے لئے میسر تھی اسی طرح سورہ اخلاس بھی، پس اس آیت سے یہ مراد لینا کہ اس سے سورہ فاتحہ ہی متعین ہے نہ کہ سورت اخلاص یا کوئی اور سورت، یہ بلا مرجح کہ ترجیح اور بلا مخصص کے تخصیص کرنا ہے، اور یہ کھلا ہوا مکابرہ ہے۔ (الغرة المنيفة في تحقيق بعض مسائل الإمام أبي حنيفة: ص ۴۱)

لہذا اگر ہم نماز میں "فاتحة الكتاب وما تيسر" کے قراءت کی جگہ احادیث میں دیکھیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز کی صرف "۲" رکعتیں ہیں، چنانچہ حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ "أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقرأ في الركعتين الأوليين من الظهر والعصر، بفاتحة الكتاب وسورة ويسمعنا الآية أحيانا، ويقرأ في الركعتين الأخريين بفاتحة الكتاب" آنحضرت ﷺ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورہ پڑھتے تھے، اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری: حدیث نمبر ۷۷۶، صحیح مسلم: ج ۱: ص ۳۳۳، حدیث نمبر ۴۵۱)

لہذا ثابت ہوا کہ قرآن کی آیت "فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" میں جو قراءت کی فرضیت ثابت ہوئی، وہ صرف کی نماز کی "۲" رکعتوں میں ہیں۔

- اور پھر جہری نمازیں مثلاً فجر، مغرب، عشاء وغیرہ کی صرف پہلی "۲" رکعتوں میں قرات جہری ہوتی ہے، باقی رکعتوں میں نہیں ہوتی۔ اگر فاتحہ تمام رکعت میں فرض ہوتی، تو جس طرح جہری نماز میں "پہلی دو رکعتوں میں قراءت کو جہراً پڑھا گیا، اسی طرح آخری "۲" رکعتوں میں بھی پڑھا جاتا۔ مگر خصوصیت کے ساتھ صرف "۲" رکعتوں میں جہراً قراءت کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ

قراءت صرف ''۲'' ہی رکعتوں میں فرض ہے۔ واللہ اعلم[۱]

غالباً یہی وجہ ہے کہ باقی ''۲'' رکعتوں میں قراءت کی عدم فرضیت کو واضح کرنے لئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''اقرأ في الأولیین، وسبح في الأخریین'' نماز کی پہلی ''۲'' رکعتوں میں قراءت کرو اور آخری ''۲'' رکعتوں میں تسبیح بیان کرو۔ چنانچہ ثقہ، حافظ، امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ

نا شريك، عن أبي إسحاق، عن علي وعبد الله، أنهما قالا: اقرأ في الأولیین، وسبح في الأخریین۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۷۶۳)**

سند کی تحقیق:

(۱) امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب)**

(۲) شریک بن عبداللہ النخعیؒ (م ۱۷۷ھ) کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کہتے ہیں کہ ''صدوق تكلم فيه

---

(۱) یہاں پر احناف نے ایک باریک فرق کیا ہے کہ فاتحہ و دوسری سورت کی قراءت تو صرف ''۲'' رکعتوں میں فرض ہے، مگر نماز کی پہلی اور دوسری رکعتوں میں اس کی قراءت کرنا واجب ہے، کیونکہ تواتر کے ساتھ یعنی قرآن سے صرف ''۲'' رکعتوں میں قراءت کرنا فرض ثابت ہوا اور خبر احاد سے ان ''۲'' رکعتوں کی تعین ثابت ہوئی اور وہ نماز کی پہلی اور دوسری رکعتیں ہے، جیسا کہ ابو قتادہؓ کی روایت گزر چکی، لہذا ''۲'' رکعتوں میں قراءت فرض ہے اور نماز کی پہلی اور دوسری رکعتوں میں فاتحہ و دوسری سورت کی قراءت واجب ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین الزیلعیؒ (م ۷۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ

''والزيادة عليه بخبر الواحد لا تجوز ولكنه يوجب العمل به فقلنا بوجوبهما''

کتاب اللہ پر خبر واحد کے ذریعہ اضافہ کرنا جائز نہیں، لیکن خبر واحد جس حکم پر مشتمل ہوتی ہے، اس (حکم) پر عمل کو واجب قرار دیتی ہے، پس ہم نے ان دونوں (یعنی سورہ فاتحہ اور ضم سورت) کو واجب کہا۔ **(تبیین الحقائق: ج۱: ص ۱۰۵)**

- امام اکمل الدین البابرتیؒ (م ۷۸۶ھ) کہتے ہیں کہ

''أن الركن لا يثبت إلا بدليل قطعي، وخبر الواحد ليس بقطعي لكنه يوجب العمل به فقلنا به''

رکن دلیل قطعی سے ہی ثابت ہوتا ہے، جبکہ خبر واحد قطعی نہیں ہوتی، لیکن وہ خود پر عمل کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے، پس ہم اس کو واجب قرار دیا۔ **(العنایۃ شرح الہدایۃ: ج۱: ص ۲۹۴)**

- صاحب ہدایہ، امام المرغینانیؒ (م ۵۹۳ھ) اور ملک العلماء، امام ابوبکر الکاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) کی بھی یہی رائے ہے۔ **(الہدایۃ: ج۱: ص ۵۰، البدائع الصنائع: ج۱: ص ۱۶۰)**

من قبل حفظه فحديث حسن لو انفرد و لم يخالف ''۔(موافقۃ الخبر الخبر لا بن حجر: ج ۲:ص ۲۶۶)

لہذا وہ صدوق تو ہیں، مگر مختلط بھی تھے، اور یہاں ان کے متابع بھی موجود ہیں، جس کی تفصیل آ گے آ رہی ہے، لہذا یہاں ان پر کلام ہی فضول ہے۔

(۳) ابو اسحاق، عمرو بن عبداللہ السبیعیؒ (م ۱۲۹ھ) ثقہ، مکثر، حافظ الحدیث ہیں، البتہ ان کا آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔ **(تقریب: رقم ۵۰۶۵)**

نوٹ نمبر ا:

شریک بن عبداللہ النخعیؒ (م ۱۷۷ھ) نے ابو اسحاق السبیعیؒ (م ۱۲۹ھ) سے قبل الاختلاط روایت لی ہے۔ **(مصباح الزجاجۃ: ج ۱:ص ۱۲۷، ت عوض بن احمد الشہری)**

(۴) حضرت علی بن ابی طالبؓ (م ۴۰ھ) مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

معلوم ہوا کہ اس روایت کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں، لیکن یہاں ایک علت خفی ہے اور وہ یہ کہ اس روایت میں ابو اسحاق، عمرو بن عبداللہ السبیعیؒ (م ۱۲۹ھ) نے ''حارث الاعور'' سے تدلیس کی ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ

حدثنا أبو الأحوص، عن أبي إسحاق، عن الحارث، عن علي؛ أنه قال: يقرأ في الأوليين، ويسبح في الأخريين۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۷۶۴)

ابو الاحوص سے مراد ثقہ، متقن، سلام بن سلیم الحنفی، ابو الاحوص الکوفیؒ (م ۱۷۹ھ) ہیں۔ انہوں نے ابو اسحاق السبیعیؒ (م ۱۲۹ھ) سے قبل الاختلاط روایت لی ہے۔ **(مصباح الزجاجۃ: ج ۱:ص ۱۲۷، ت عوض بن احمد الشہری)**

نیز ان کے متابع میں سفیان الثوریؒ (م ۱۶۱ھ) بھی موجود ہیں۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۷۶۸)**،

وضاحت:

اس سند میں ''أبي إسحاق، عن الحارث، عن علي'' کی تصریح ہے۔ اور الحارث الاعورؒ (م ۶۵ھ) متابعات میں مقبول ہیں۔ **(الترغیب والترہیب للمنذری: ج ۲:ص ۳۷۹)**

اس حدیث علیؓ میں ان کے متابع میں ثقہ راوی، عبیداللہ بن ابی رافعؒ موجود ہیں، چنانچہ الحافظ الکبیر، امام عبدالرزاق الصنعانیؒ (م ۲۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ

عن معمر، عن الزهري، عن عبيد الله بن أبي رافع قال: كان - يعني عليا - يقرأ في الأوليين من الظهر والعصر بأم القرآن وسورة، ولا يقرأ في الأخريين۔

عبید اللہ بن ابی رافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورت فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھتے تھے، اور اخیری دو رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ (**مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر ۲۶۵۶**)

اس روایت کے تمام روات ثقہ ہیں اور محدث بدر الدین العینیؒ (م۸۵۵ھ) نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (**نخب الافکار: ج ۴: ص ۲۴۱**)، اور معمر بن راشدؒ (م۱۵۳ھ) ''صاحب الزهري كان من أثبت الناس فيه'' ہیں۔ (**ہدی الساری: ج ۲: ص ۹۸**)

لہذا الحارث الاعورؒ (م۶۵ھ) پر کلام فضول و بیکار ہے اور یہ روایت حضرت علیؓ سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

اور جہاں تک ابن مسعودؓ کی روایت کے متابع کی بات ہے، تو امام ابو القاسم الطبرانیؒ (م۳۶۰ھ) فرماتے ہیں کہ

حدثنا علي بن عبد العزيز، ثنا حجاج بن المنهال، ثنا حماد بن سلمة، عن حماد، عن إبراهيم، أن ابن مسعود كان لا يقرأ خلف الإمام وكان إبراهيم يأخذ به، وكان ابن مسعود إذا كان إماما قرأ في الركعتين الأوليين، ولا يقرأ في الأخريين بشيء۔

ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ ابن مسعودؓ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے، خود ابراہیم نخعیؒ بھی اسی پر عمل کرتے تھے، اور ابن مسعودؓ جب امام ہوتے تو پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرتے اور اخیری دو رکعتوں میں کچھ نہ پڑھتے۔ (**المعجم الکبیر للطبرانی: ج ۹: ص ۲۶۴**)

اس روایت کے تمام روات ثقہ ہیں اور مراسیل ابراہیم النخعیؒ، ائمہ محدثین کے نزدیک صحیح ہیں، خاص طور سے جب کہ وہ ابن مسعودؓ سے مروی ہوں۔ (**مجلہ الاجماع: ش ۱۱: ص ۱**)

اور ابراہیم النخعیؒ (م۹۶ھ) اور ان کے شاگرد، حماد بن ابی سلیمانؒ (م۱۲۰ھ) کی ''عنعنہ'' بھی مقبول ہے، کیونکہ وہ دونوں حضرات طبقات ثانیہ کے مدلس ہیں۔ (**طبقات المدلسین لابن حجر: ص ۳۰، ۲۸**)

نیز کہا جاتا ہے کہ حماد بن ابی سلیمانؒ (م۱۲۰ھ) کا آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، لیکن حماد بن سلمہؒ (م۱۶۷ھ) نے ان سے قبل الاختلاط روایت لی ہے۔ (تہذیب الکمال: ج ۷: ص ۲۷۲)[۱]

---

(۱)　حماد بن ابی سلیمانؒ (م۱۲۰ھ) اصطلاحی طور پر مختلط نہیں ہوئے تھے، دیکھئے ص: ۱۷۔

مزید یہ کہ حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ)، ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) کی روایات میں ثبت ہیں۔ (دیکھئے ص:)،
الغرض یہ روایت صحیح مرسل ہیں۔
ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ بھی نماز کی آخری '۲' رکعتوں میں قراءت کے فرضیت کے قائل نہیں تھے۔
اور حافظ ابن المنذرؒ (م ۳۱۹ھ) فرماتے ہیں کہ

''**وقالت طائفة: يقرأ في الأولىين بفاتحة الكتاب وما تيسر، وفي الآخريين إن شاء قرأ وإن شاء سبح، وإن لم يقرأ ولم يسبح جازت صلاته، هذا قول سفيان الثوري وأصحاب الرأي، وقد روينا عن علي بن أبي طالب أنه قرأ في الأولتين، وسبح في الآخرتين، وبه قال النخعي**''۔

اور ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور جو میسر ہو اس کی قراءت کی جائے گی، اور دوسری دو رکعتوں میں چاہے قراءت کرے چاہے تسبیح پڑھے، اور اگر نہ قرآت کی نہ تسبیح پڑھی جب بھی اس کی نماز ہوجائے گی، یہ سفیان ثوریؒ اور اصحاب الرأي کا قول ہے، اور حضرت علیؓ سے ہم نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی اور اخیری دو رکعتوں میں تسبیح پڑھی، ابراہیم نخعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (**الاشراف علی مذاہب العلماء لابن المنذر: ج ۲: ص ۱۶**)

- فرض نماز کی آخری دو رکعتوں اور مغرب کی آخری رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مسنون ہے، چنانچہ حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورہ پڑھتے تھے، اور ''**ويقرأ في الركعتين الأخريين بفاتحة الكتاب**'' آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ (**صحیح بخاری: حدیث نمبر ۷۷۶، صحیح مسلم: ج ۱: ص ۳۳۳، حدیث نمبر ۴۵۱**)

صاحب مسند ابی حنیفة، حافظ طلحۃ بن محمد الشاہدؒ (م ۳۸۰ھ) صدوق، عادل ہیں۔

-مولانا نذیر الدین قاسمی

حافظ ابو القاسم، طلحۃ بن محمد الشاہدؒ (م ۳۸۰ھ) صدوق، عادل ہیں۔ چنانچہ

(۱) حافظ المشرق، امام خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ)،

(۲) محمد بن الحسین، ابو طاہر الموصلیؒ (م ۴۴۸ھ)،

(۳) ابو القاسم، علی بن محسن ابی علی التنوخیؒ (م ۴۴۷ھ)،

(۴) محمد بن علی، ابو العلاء الواسطیؒ (م ۴۳۱ھ)،

(۵) امام ابو سعد السمعانیؒ (م ۵۶۲ھ) وغیرہ نے ان کو "معدل" قرار دیا ہے۔ (**تاریخ بغداد: ج۱: ص۵۶، ج۳: ص۲۹۸، ج۱۳: ص۳۲۹، المتفق و المفترق للخطیب: ج۳: ص۱۴۰۷، الانساب للسمعانی: ج۵: ص۳۸۷**)

اور کسی راوی کو "معدل" قرار دینا، اس کی توثیق ہوتی ہے۔ چنانچہ "معدل" کے بارے میں حافظ ابو سعد السمعانیؒ (م ۵۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ "**هذا اسم لمن عدل وزكى وقبلت شهادته عند القضاة**"۔ (**الانساب: ج۱۲: ص۳۴۲**)

(۶) امام ابو المؤید الخوارزمیؒ (م ۶۶۵ھ) نے کہا: "**الإمام الحافظ الشاهد العدل**"۔

نیز کہا کہ "**كان مقدم العدول و الثقات الأثبات في زمانه**"۔ (**جامع المسانید: ج۱: ص۴، ج۲: ص۴۸۷**)

(۷) حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے کہا: "**الشاهد المعدّل المقرئ لكنه معتزلي**"۔

نیز کہا: "**الشاهد، الشيخ، العالم، الأخباري، المؤرخ**" اور ان کی منفرد روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

(**سیر: ج۱۶: ص۳۹۶، العبر: ج۲: ص۱۵۶، مناقب: ص۸۱، تاریخ الاسلام: ج۴: ص۹۵۵**)

(۸) امام ابن العماد الحنبلیؒ (م ۱۰۸۹ھ) نے کہا: "**الشاهد المعدّل المقرئ**"۔ (**شذرات الذہب: ج۴: ص۴۲۲**)

(۹) علامہ خیر الدین الزرکلیؒ (م ۱۳۹۶ھ) نے کہا: "**طلحة بن محمّد بن جعفر الشاهد، أبو القاسم: مؤرخ، من**

أهل بغداد. له (أخبار القضاة) وهو من رجال الحديث، صحيح السماع، إلا أنه كان معتزليا داعية، فترك أهل الحديث الرواية عنه'' (طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد، ابوالقاسم، مؤرخ اور اہل بغداد میں سے ہیں، اخبار القضاۃ آپ کی تصنیف ہے، وہ حدیث کے راویوں میں سے اور صحیح السماع ہیں، البتہ چونکہ وہ معتزلی اور اس کے داعی تھے، اس لئے محدثین نے آپ سے روایت لینا چھوڑ دی)۔**(الاعلام: ج ۳: ص ۲۲۹)**

لہذا وہ صدوق ہیں۔

فقیہ عراق، حافظ محمد بن شجاع، ابوعبداللہ ابن الثلجیؒ (م۲۶۶ھ) پر کلام؟

-مولانا نذیر الدین قاسمی

مشہور فقیہ عراق، حافظ محمد بن شجاع، ابوعبداللہ ابن الثلجیؒ (م۲۶۶ھ) کے بارے میں

(۱) امام ابوعبداللہ الصیمریؒ (م۴۳۶ھ) نے کہا: ''وهو المقدم في الفقه والحديث وقراءة القرآن مع ورع وعبادة'' وہ حدیث، فقہ، قرآن کی قراءت میں تقی اور عبادت کے ساتھ مقدم ہیں۔ (اخبار ابی حنیفۃ: ص ۱۶۴)

(۲) امام ابوطالب، علی بن انجب، تاج الدین ابن الساعیؒ (م۶۷۴ھ) نے کہا: ''كان من أعيان فقهاء زمانه، وهو الذي فتق فقه أبي حنيفة، واحتجّ له، وأظهر علله، وقوّاه بالحديث، وكان من أهل العدل والتوحيد''۔ (الدر الثمین: ص ۱۷۱)

(۳) ثقہ، ثبت، حافظ عبدالقادر بن محمد القرشیؒ (م۷۷۵ھ) نے کہا: ''وكان فقيه أهل العراق فى وقته والمقدم فى الفقه والحديث وقراءة القرآن مع ورع وعبادة''۔ (الجواہر المضیۃ: ج ۲: ص ۶۰)

(۴) حافظ تقی الدین المقریزیؒ (م۸۴۵ھ) نے کہا: ''وفقيه أهل العراق في وقته. والمقدم في الفقه، والحديث، وقراءة القرآن، مع ورع وعبادة''۔ (تاج التراجم: ص ۲۴۲)

(۵) فقیہ علی بن امر اللہ الحنائیؒ (م۹۷۹ھ) نے کہا: ''كان فقيه أهل العراق في وقته، والمُقَدَّم في الفقه والحديث وقراءة القرآن، مع ورعٍ وعبادة''۔ (طبقات الحنفیۃ للحنائی: ص ۸۲)

(۶) قاضی محمد بن سلیمان الکفوی الرومیؒ (م۹۹۰ھ) نے کہا ''وكان فقيه أهل العراق في وقته، والمُقَدَّم في الفقه والحديث وقراءة القرآن، مع ورعٍ وعبادة''۔ (کتاب اعلام الاخیار من فقہاء مذہب النعمان المختار: مخطوطۃ المکتبۃ المحمدیۃ بالمدینۃ: رقم ۹۲: فولیو [Folio] نمبر ۱۱۴)

(۷) محدث ملا علی القاریؒ (م۱۰۱۴ھ) کہتے ہیں کہ ''وفقيه أهل العراق في وقته والمقدم في الفقه والحديث وقراءة القرآن مع ورع وعبادة''۔ (طبقات الحنفیۃ للقاری بحوالہ الفوائد البهية في تراجم الحنفية: ص ۱۷۲)

(۸) علامہ خیر الدین الزرکلیؒ (م۱۳۹۶ھ) نے کہا: ''محمد بن شجاع ابن الثلجي البغدادي، أبو عبد الله: فقيه

العراق في وقته. من أصحاب أبي حنيفة. وهو الّذي شرح فقهه واحتج له وقوّاه بالحديث''۔(الاعلام: ج٦: ص١٥٦-١٥٧)

معلوم ہوا کہ حافظ محمد بن شجاع ابن الثلجیؒ (م ۲۶۶ھ) حدیث، فقہ اور قراءۃ القرآن میں مقدم ہیں اور اہل عدل میں سے ہیں۔

جروحات کا جواب:

امام مزیؒ (م ۷۴۲ھ) کہتے ہیں کہ

و كان أحد الجهمية القائلين بالوقف في القرآن و المصنفين في ذلك، و لعثمان بن سعيد الدارمي كتاب في الرد عليه و على صاحبه بشر بن غياث المريسي و غيرهما من الجهمية۔ (۱)

قال أبو عمر محمد بن العباس بن حيويه الخزاز: حدثنا أبو مزاحم موسى بن عبيد الله بن يحيى بن خاقان، عن عمه أبي علي عبد الرحمن بن يحيى بن خاقان أنه سأل أحمد بن حنبل عن ابن الثلجي، فقال: مبتدع صاحب هوى۔

و قال محمد بن خلف وكيع القاضي: حدثنا السري بن مكرم المقرىء، قال: بعث المتوكل إلى أحمد بن حنبل يسأله عن ابن الثلجي و يحيى بن أكثم في ولاية القضاء فقال: أما ابن الثلجي فلا، و لا على حارس۔

و قال أحمد بن جعفر بن حمدان، عن عبد الله بن أحمد بن حنبل: سمعت القواريري قبل أن يموت بعشرة أيام و ذكر ابن الثلجي، فقال: هو كافر. قال: فذكرت لإسماعيل القاضي، فسكت. فقلت له: ما أكفره

---

(۱) کئی ثقہ رواۃ یا صدوق رواۃ پر جہمی، قدری، شیعی، وغیرہ ہونے کا الزام ہے۔ اور اہل حدیث، عالم زبیر علی زئی صاحب کا کہنا ہے کہ صحیحین وغیرہ میں ہی ایک جماعت کی احادیث ہیں، جن پر قدری وغیرہ ہونے الزام ہے۔(نور العینین ص:۱۰۸)، کیا ان کی حدیث رد کردی جائے گی؟ حالانکہ جس راوی کا حدیث میں صدوق ہونا ثابت ہو جائے، تو اس کا قدری، خارجی، شیعی، معتزلی، جہمی اور مرجئی وغیرہ ہونا صحتِ حدیث کے خلاف نہیں ہے۔(نور العینین: ص ۶۳) اور ائمہ کے حوالے گزر چکے کہ وہ حدیث میں مقدم اور عادل تھے۔ لہذا ان پر جہمی ہونے کی جرح صحت حدیث کے منافی نہیں ہے۔ اور انہوں نے خلق قرآن کے مسئلہ سے رجوع کر لیا تھا، جس کا حوالہ آگے آ رہا ہے۔

إلا بشيء سمعه منه؟ قال: نعم۔ (۱)

و قال أبو أحمد بن عدی: کان یضع أحادیث فی التشبیه و ینسبها إلی أصحاب الحدیث یثلبهم بذلك۔ (۲)

---

(۱) امام احمدؒ کا ''مبتدع صاحب ھوی''، اور باقی ائمہ کا ابن الثلجیؒ (م ۲۶۶ھ) کو کافر کہنا، یہ خلق قرآن کے عقیدہ کی وجہ سے تھا۔ جس کا جواب دیا جا چکا ہے۔ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کہتے ہیں کہ

''**وقال أحمد ابن حنبل: کان ابن الثلجي من أصحاب بشر بن غیاث۔ وقد جاء من غیر وجه أن ابن الثلجي کان ینال من أحمد بن حنبل و أصحابه. و کلام الأقران و المتعاصرین بعضهم في بعض محمول. اللهم ارحم الکل, و ارض عمن اتبع الحق و نحاه و إن غلط**''

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ابن الثلجیؒ بشر بن غیاث کے ساتھیوں میں سے تھے، اور متعدد طرق سے منقول ہے کہ ابن الثلجیؒ، امام احمدؒ اور ان کے ساتھیوں کی برائی کرتے تھے، اور معاصرین وہم زمانہ لوگوں کا ایک دوسرے کے بارے میں کلام قابل تحمل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ تمام پر رحم فرمائے اور حق کی اتباع کرنے والے اور اسی کا قصد کرنے والے سے چاہے ان سے غلطی ہوئی ہو، اللہ راضی ہو۔ (**تذہیب تہذیب الکمال للذہبی: ج ۸: ص ۱۳۴**)،

لہذا اس مسئلہ میں معاصرین کا کلام مضر نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اور مشہور صدوق، حافظ الحدیث، امام ابو الخیر ابن الجزریؒ (م ۸۳۳ھ) کہتے ہیں کہ

''**و کان ینال من أحمد و أصحابه و ینتقص الشافعي, و کتب في وصیته: لا یعطی من ثلثي إلا من قال: القرآن مخلوق, قلت: لما حضرته الوفاة رجع عن ذلك کله و ذکر مناقبهم, و مات یوم عرفة و هو ساجد في آخر سجدة من صلاة العصر سنة أربع و ستین و مائتین, و قیل: سنة ست و ستین في عاشر الحجة, فلعل ذلك کان دلیل قبول توبته, عفا الله عنا و عنه و رحمنا**''

اور وہ امام احمدؒ اور ان کے ساتھیوں کی برائی اور امام شافعیؒ کی تنقیص کرتے تھے، اپنی وصیت میں انہوں لکھا تھا کہ میرے مال کے ثلث میں سے اسی کو دیا جائے جو یہ کہے کہ قرآن مخلوق ہے، میں کہتا ہوں کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے ان تمام چیزوں سے رجوع کر لیا تھا اور ان کے مناقب بیان کئے تھے، اور ان کی وفات عرفہ کے دن عصر کی نماز کے اخیر سجدہ میں ہوئی ۲۶۴ھ اور قول یہ ہے کہ ۱۰/ ذی الحجہ ۲۶۶ھ کو ہوئی، پس شاید یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی توبہ قبول ہو گئی، اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں معاف فرمائے اور ہم پر رحم فرمائے۔ (**غایۃ النہایۃ لابن الجزری: ج ۲: ص ۱۵۲**)، لہذا اب ان پر خلق قرآن کا اعتراض صحیح نہیں ہوگا۔

(۲) ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) کی جرح کئی لحاظ سے غیر صحیح ہے۔ کیونکہ

و قال زکریا بن یحیی الساجی : فأما ابن الثلجی فکان کذابا احتال فی إبطال الحدیث عن رسول اللہ

اولاً جس حدیث کو ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے ذکر کیا کہ ابن الثلجیؒ (م ۲۶۶ھ) نے اس کو وضع کیا ہے۔ وہ یہ ہے:

روی عن حبان بن ھلال، وحبان ثقة، عن حماد بن سلمة، عن أبي المهزم، عن أبي هريرة، عن النبي صَلى الله عَليه وسَلم، قال: إن الله خلق الفرس فأجراها فعرقت، ثم خلق نفسه منها۔

ابن الثلجیؒ (م ۲۶۶ھ) تک اس روایت کی متصل وصحیح سند، ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے ذکر نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی صحیح، متصل سند سے ثابت ہے کہ ابن الثلجیؒ (م ۲۶۶ھ) نے یہ روایت حبان بن ہلالؒ کے حوالہ سے بیان کی ہے۔ **فیما اعلم**

کیونکہ راوی اسماعیل بن محمد بن مفضلؒ (م ۳۰۷ھ) نے جب یہ روایت ابن الثلجیؒ (م ۲۶۶ھ) سے بیان کی، تو کہا کہ ''**أُخبِرْتُ عَنْ مُحَمَّدِ بن سجاع التلخی**''۔ لہذا یہاں انقطاع ہے اور جن حضرات نے سماع کی صراحت کی وہ سند ثابت ہی نہیں ہے۔ (**الموضوعات لابن الجوزی: ج۱: ص۱۰۵، الاباطیل للجورقانی: ج۱: ص۱۸۶**)

خلاصہ یہ کہ ابن الثلجیؒ (م ۲۶۶ھ) کا یہ روایت حبان بن ہلالؒ سے بیان کرنا ہی ثابت نہیں ہے۔ اور ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) کا اعتراض کمزور ہے۔

دوم پھر اس روایت میں حماد بن سلمہؒ (م ۱۶۷ھ) کے استاد ابوالمہزم التمیمی متروک ہیں۔ (**تقریب: رقم ۸۳۹۷**) اور حماد بن سلمہؒ (م ۱۶۷ھ) کا آخری عمر میں حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ (**تقریب: رقم ۱۴۹۹**)،

توکس دلیل کی بنیاد پر ابن الثلجیؒ ہی کو اس روایت کا ذمہ دار بتایا گیا ہے؟؟؟

سوم ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) سے بہت پہلے، حافظ ابن الثلجیؒ (م ۲۶۶ھ) کے معاصر، حافظ ابو محمد، ابن قتیبہؒ (م ۲۷۶ھ) نے صراحت کی ہے کہ یہ روایت دراصل حماد بن سلمہؒ (م ۱۶۷ھ) کے منہ بولے بیٹے، ابن ابی العوجاء الزندیق وغیرہ نے وضع کیا ہے۔

<u>**ان کے الفاظ یہ ہیں:**</u>

الزنادقة واجتيالهم للإسلام، وتهجينه بدس الأحاديث المستشنعة والمستحيلة كالأحاديث التي قدمنا ذكرها من عرق الخيل، وعيادة الملائكة، وقفص الذهب على جمل أورق، وزغب الصدر، ونور الذراعين، مع أشياء كثيرة، ليست تخفى على أهل الحديث منهم ابن أبي العوجاء الزنديق، وصالح بن عبد القدوس الدهري۔ (تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبة: ص ۴۰۴)

لہذا ابن الثلجیؒ (م ۲۶۶ھ) پر اس روایت کے وضع کرنے کا الزام باطل ومردود ہے۔

چہارم ابن عدیؒ کی جرح کے جواب میں محدث عینیؒ (م ۸۵۵ھ) کہتے ہیں کہ

''**ونقل ابن الجوزي عن ابن عدي أنه كان يضع أحاديث في التشبيه ينسبها إلي أصحاب الحديث يثلبهم بها قلت:**

صلی اللہ علیہ و سلم و ردہ، نصرۃ لفلان و مذھبہ۔ (۱)

و قال أبو الفتح محمد بن الحسین الأزدی الحافظ: کذاب لا تحل الروایۃ عنہ لسوء مذھبہ و زیغہ عن الدین۔ (تہذیب الکمال: ج۲۵: ص۳۶۲) [۲]

یہی وجہ ہے کہ محدث عینیؒ (م۸۵۵ھ) کہتے ہیں کہ 'قد تکلموا فیہ بما لا ینبغي' ان پر غیر مناسب طرح سے کلام کیا گیا ہے۔ (نخب الافکار: ج۱۲: ص۳۷۲)،

قلت: من جملۃ تصانیفہ کتاب "الردّ علی المشبھۃ" فکیف یصح ھذا عنہ، و کان دَیِّنا صالحا عابدا''

(ابن الجوزیؒ، ابن عدیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ تشبیہ کے باب میں احادیث وضع کرتے تھے اور انہیں محدثین کی طرف منسوب کرتے تا کہ اس کے ذریعہ ان پر عیب لگائیں، میں کہتا ہوں: ان کی تصانیف میں سے ایک ''مشبھۃ پر رد'' بھی ہے، پس یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے، جبکہ وہ دین دار صالح اور عابد۔) ۔ (نخب الافکار: ج۱: ص۶۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن الثلجیؒ (م۲۶۶ھ) پر اس روایت کے وضع کرنے کا الزام صحیح نہیں ہے۔

پنجم اگر بالفرض ابن عدیؒ (م۳۶۵ھ) کی جرح کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو زیادہ سے زیادہ وہ ''متکلم فیہ من جھۃ اعتقادہ'' اعتقاد کی وجہ متکلم فیہ ہے۔ جیسا کہ حافظ ابو الخیر ابن الجزریؒ (م۸۳۳ھ) نے کہا ہے۔ (غایۃ النہایۃ لابن الجزری: ج۲: ص۱۵۲)،

لہذا وہ کم از کم تشبیہ و اعتقاد والی روایات کے علاوہ میں وہ صدوق ہونگے۔ واللہ اعلم

(۱) فقیہ، محدث سے زیادہ حدیث کے معانی و مطلب کو جانتا ہے، جیسا کہ امام ترمذیؒ (م۲۷۹ھ) نے صراحت کی ہے۔ (سنن الترمذی: تحت حدیث نمبر ۹۹۰)، اور حافظ ابن الثلجیؒ (م۲۶۶ھ) بالاتفاق فقیہ ہیں۔ لہذا اگر وہ احادیث رسول ﷺ کی تاویل کریں، تو اس کی وجہ سے ان کو کذاب نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ خاص طور سے جب کہ ان سے حدیث میں کذب صادر ہونا ثابت ہی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(۲) یہ جرح بھی حدیث میں کذب کی وجہ سے نہیں بلکہ دیگر وجوہات اور خارجی امور سے ہوئی ہے۔ جن کی وجہ سے ان کو حدیث میں مجروح نہیں قرار دیا جا سکتا ہے اور جن کے جوابات دئے جا چکے ہے۔

کیا حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کا آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔

- مفتی ابن اسماعیل المدنی

بعض حضرات کی رائے ہے کہ حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کا آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، اور ان کی وہی روایت مقبول ہوگی، جو قبل الاختلاط لی گئی ہے، مگر تحقیق کی روشنی میں یہ بات مرجوح ہے، مشہور غیر مقلد عالم، زبیر علی زئی صاحب، حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کو مختلط ثابت کرنے کے دلائل ذکر کئے ہیں، جن کو جوابات کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں:

زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ

* حماد بن ابی سلیمان مختلط ہیں: [۱]

۱: امام احمدؒ نے حماد کو مختلط قرار دیا ہے۔ (سوالات ابی داود: ۳۳۸، سوالات ابی بکر الاثرم ص ۱۲۰) [۲]

---

(۱) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں راوی کے مختلط ہونے کی اصطلاحی تعریف لکھ دی جائے، تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو جائے: چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ ''إن كان سوء الحفظ طارئا على الراوي، إما لكبره، أو لذهاب بصره، أو لاحتراق كتبه أو عدمها، بأن كان يعتمدها فرجع إلى حفظه فساء فهذا هو المختلط'' اگر کسی راوی پر سوء الحفظ طاری ہی رہتا ہے، کبر سنی کی وجہ سے یا آنکھوں کی بنائی جانے کی وجہ سے یا کتابیں جل جانے کی وجہ سے یا کتابیں نہ ہونے کی وجہ سے، اس طور پر کہ وہ ان پر اعتماد کرتا تھا، پھر وہ اپنے حافظہ کی طرف لوٹے تو اس کو خراب اور بگڑا ہوا پائے، تو یہ مختلط راوی ہے۔ (نزہۃ النظر: ص ۱۲۹)،

- حافظ شمس الدین سخاویؒ (م ۹۰۱ھ) کہتے ہیں کہ ''وحقيقته فساد العقل وعدم انتظام الأقوال والأفعال'' عقل کا خراب ہونا اور فعل اور قول میں عدم انتظام ہونا، اختلاط کی حقیقت ہے۔ (فتح المغیث: ج ۴: ص ۳۶۶)، اس سے معلوم ہوا کہ اختلاط اصطلاحی میں راوی کی عقل اور حافظہ خراب ہو جاتا ہے اور قول و فعل میں کوئی ترتیب و مطابقت بھی نہیں رہتی۔

(۲) سب سے پہلے امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

- سؤالات ابی داود: رقم ۳۳۸ میں ہے کہ سمعت أحمد مرة أخرى يقول: حماد مقارب الحديث، ما روى عنه سفيان، وشعبة والقدماء. قلت: هشام كيف سماعه؟ قال: قديم. سألت أحمد مرة أخرى عن سماع هشام الدستوائي، عن حماد. قال: سماعه صالح. سمعت أحمد يقول: ولكن حماد بن سلمة عنده عنه تخليط، يعني عن حماد بن أبي سليمان۔

- سؤالات الاثرم: ص ۱۲۰ پر ہے کہ وقال أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون الخلال: أخبرني الحسين بن الحسن قال: حدثنا إبراهيم بن الحارث قال: قيل لأبي عبد الله:

۲:　امام ابن سعدؒ نے بھی انھیں مختلط کہا۔(الطبقات الکبریٰ ۸/ ۴۵۲)[۱]

(ح) وأخبرني محمد بن علي. قال: حدثنا الأثرم. قال: سمعت أبا عبد الله قيل له: حماد بن أبي سليمان؟ قال: أما حماد فرواية القدماء عنه مقاربة: شعبة، والثوري. وهشام، يعني الدستوائي. قال: وأما غيرهم فقد جاؤوا عنه بأعاجب. قلت له: حجاج، وحماد بن سلمة؟ قال: حماد على ذاك لا بأس به. قال أبو عبد الله: وقد سقط فيه غير واحد مثل محمد بن جابر، وذاك، وأشار بيده، فظننت أنه عنى سلمة الأحمر. قال الأثرم: ولعله قد عنى غيره۔

(۱)　ابن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) کی عبارت یوں ہیں:

قالوا وكان حماد ضعيفا في الحديث فاختلط في آخر أمره. وكان مرجيا. وكان كثير الحديث۔ (الطبقات الكبرى: ج ٦: ص ٣٢٥)

ان عبارتوں سے راوی کے مختلط ہونے پر استدلال باطل ہے، کیونکہ

- الطبقات الکبریٰ میں موجود عبارت ''وكان حماد ضعيفا في الحديث فاختلط في آخر أمره''، ابن سعد کی اپنے رائے نہیں ہے، بلکہ ''قالوا''، بعض الناس کی ہے، جن کا حال معلوم نہیں ہے اور خود زبیر علی زئی صاحب نے ''قالوا'' کے بارے میں ایک جگہ کہا ہے کہ قالوا کا فاعل نامعلوم اور مجہول ہے۔(مجلہ الاجماع: ش ۲: ص ۱۰۵)، لہذا اس عبارت سے استدلال خود، ان سے اصول سے مردود ہے۔
- ابن سعدؒ کی عبارت میں ''قالوا'' کا تعین اس لئے بھی ضروری ہے، کیونکہ حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) اہل رائے میں سے ہے اور اصحاب الحدیث، اصحاب رائے کے سلسلے میں متشدد ہے۔(مجلہ الاجماع: ش ۱۸: ص ۳۲)، لہذا عدم تشدد کی توضیح کے لئے، قالوا کا تعین ضروری ہے۔ نیز جس طرح حماد کو ''ضعيفا في الحديث'' کہنا تشدد ہوگا، اسی طرح ان کو مختلط کہنا بھی، تشدد سے خالی نہیں ہوگا۔
- سعودی سلفی عالم، دکتور عبد الجبار سعید کہتے ہیں کہ ''عبارة ابن سعد وردت بصيغة التمريض، ولم اجد من قال اختلاطه، وهذه العبارة لا تثبت اختلاطا''، ابن سعدؒ کی عبارت صیغہ تمریض کے ساتھ آئی ہے، ان کے اختلاط کے قائلین کو میں نے نہیں پایا اور اس عبارت سے اختلاط [کا دعوی] ثابت نہیں ہوتا۔(اختلاط الرواة الثقات للدکتور سعید: ص ۱۶۲)،
- الدکتور عبد العزیز بن سعید التخیفی کہتے ہیں کہ

''قوله (اختلط في آخره امره) لم ار احدا سبقه الى ذلك، ولم يوافقه عليه احمد - فيما اعلم - ولم يذكره في الرواة الموصوفين بالاختلاط سبط ابن العجمي ولا صاحب الكواكب النيرات ولم يلتفت الى هذا القول ابن حجر في التقريب''

ان کا یہ کہنا کہ ''اخیر میں انہیں اختلاط ہوگیا تھا''، میں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کسی نے یہ بات کہی ہو، اور جہاں تک مجھے پتہ ہے، کسی نے اس پر ان کی موافقت بھی نہیں کی ہے، اور انہیں مختلطین روات میں نہ سبط ابن العجمی نے ذکر کیا ہے نہ صاحب الکواکب النیرات نے، اور نہ ابن حجرؒ نے تقریب میں اس بات کو لائق اعتناء سمجھا۔(دراسة المتكلم فيهم من رجال تقريب التهذيب: ج ۱: ص ۳۴۱)

- جامعہ اسلامیہ کے فاضل، فاروق عبداللہ بن شرف الحق ''ابن سعد کی عبارت کے جواب میں'' کہتے ہیں کہ
حافظ ذہبیؒ نے اس [ابن سعد کی] اختلاط [والی عبارت] کی توضیح میں معمر بن راشد اور مغیرہ بن مقسم سے ''۲'' اثر نقل کئے ہیں۔
معمر فرماتے ہیں: ''كان حماد بن أبي سليمان يصرع وإذا أفاق توضأ'' حماد کو مرگی کا عارضہ لاحق ہوتا تھا، پھر افاقہ ہوتا تو وضوء کرتے۔
حافظ ذہبی نے ان کے وضوء کے سبب کو ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بیہوشی کی ایک قسم ہے، جو نیند کے مانند ہے، اس لئے اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اور مغیرہ فرماتے ہیں: ''كان حماد يصيبه المس فاذا اصابه شئ من ذلك ,ثم ذهب عنه عاد الى الموضع الذى كان فيه'' حماد کو جنون طاری ہوتا تھا، جب انہیں یہ بیماری لاحق ہوتی اور پھر اس سے افاقہ ملتا، تو جنون طاری ہونے سے پہلے جہاں تک پڑھے ہوتے افاقہ کے بعد وہیں سے شروع کرتے۔

نیز مغیرہ فرماتے ہیں: ''سأل حماد ابراهيم وكان له لسان سؤول وقلب عقول وكانت به مؤتة وكان ربما حدثهم بالحديث فتعتريه فاذا أفاق أخذ من حيث انتهى'' حماد نے ابراہیم سے پوچھا- یعنی ان سے علم حاصل کیا- اور ان کے پاس سوالی زبان و عقل مند دل تھا، اور انہیں ہلکا پھلکا جنون بھی تھا، بسا اوقات وہ حدیث روایت کرتے اور اسی دوران انہیں یہ بیماری طاری ہوجاتی، پھر افاقہ ہونے کے بعد وہیں سے روایت کرنا شروع کرتے، جہاں پر بیماری طاری ہونے سے پہلے چھوڑے ہوتے تھے۔ معمر اور مغیرہ کی مذکورہ تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو مرگی یا جنون کی کوئی بیماری تھی، لیکن وہ ان پر اس قدر غالب نہ تھی کہ اختلاط یا تلقین کے شکار ہوجائیں، بلکہ حدیث روایت کرتے، اسی دوران کبھی ان کو یہ بیماری لاحق ہوتی، لیکن افاقہ کے بعد پھر اسی جگہ سے شروع کرتے، جہاں وہ عارضہ لاحق ہوا تھا، یعنی وہ عارضہ، ان کے حفظ میں مخل نہ تھا، واللہ اعلم۔ (بغیۃ اہل الحاجۃ فی بیان عدد التسلیم فی صلاۃ الجنازۃ: ص ۳۵-۳۷)

میں کہتا ہوں کہ

اولاً　ابوشیخ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: قال ابو الشيخ حدثنا أبو بكر بن مكرم, قال: ثنا محمود بن غيلان, قال: ثنا عبد الرزاق, عن معمر, قال: رأيت حماد بن أبي سليمان يصرع, فإذا أفاق توضأ۔ (طبقات المحدثین لابی الشیخ: ج ۱: ص ۳۲۹)

سند کی تحقیق:

حافظ ابوشیخ الاصبہانیؒ (م ۳۶۹ھ) اور ان کے شیخ ابوبکر، محمد بن الحسین بن مکرمؒ (م ۳۰۹ھ)، دونوں ثقہ، حافظ، امام ہیں۔ (بلوغ الأماني بتراجم شيوخ أبي الشيخ الأصبهاني: ج ۱: ص ۴۲، ج ۲: ص ۹۰۴، رقم ۳۸۱) محمود بن غیلانؒ (م ۲۳۹ھ)، عبدالرزاق الصنعانیؒ (م ۲۱۱ھ) اور معمر بن راشدؒ (م ۱۵۳ھ) وغیرہ ثقہ حفاظ میں سے ہیں، لہذا یہ سند صحیح ہے۔

یعنی معمر نے خود حماد کو مرگی کی حالت میں دیکھا اور معمر بن راشدؒ (م ۱۵۳ھ)، حمادؒ کے آخری ایام میں ان کے پاس آئے، علم حاصل کیا اور وفات تک، ان کے ساتھ تھے، چنانچہ قال الامام ابو القاسم البغوی حدثني ابن زنجويه, نا عبد الرزاق, عن معمر قال: كنا إذا

خرجنا من عند أبي إسحاق قال لنا: من أين جئتم؟ قلنا: من عند حماد. قال: فما قال لكم أخو المرجئة؟ قال: فكنا إذا دخلنا على حماد قال: من أين جئتم؟ قلنا: من عند أبي إسحاق. قال: الزموا الشيخ، فإنه يوشك أن يطفأ قال: فمات حماد قبله۔ (مسند ابن الجعد لابی القاسم البغوی: رقم الحدیث ۳۵۶)

سند کی تحقیق:

حافظ ابوالقاسم البغویؒ (م ۳۱۷ھ)، حمید بن مخلد بن قتیبہ، ابواحمد بن زنجویہ النسائیؒ (م ۲۴۸ھ)، عبدالرزاق الصنعانیؒ (م ۲۱۱ھ) اور معمر بن راشدؒ (م ۱۵۳ھ) مشہور ثقہ حفاظ بلکہ اثبات ہیں، تفصیل کتب الجرح والتعدیل میں دیکھی جاسکتی ہے، لہذا یہ روایت صحیح ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معمر بن راشدؒ (م ۱۵۳ھ)، حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے، ان کی آخری عمر میں آئے تھے، انکے ساتھ رہے یہاں تک کہ انکی وفات ہوگئی، لیکن انہوں بھی حماد کے اختلاط والی بات ذکر نہیں کی۔

دوم		مغیرہ بن مقسمؒ کا کلام الضعفاء الکبیر للعقیلی میں ہے، چنانچہ حافظ ابوجعفر العقیلیؒ (م ۳۲۲ھ) فرماتے ہیں کہ

حدثنا محمد بن أيوب قال: حدثنا يحيى بن المغيرة قال: حدثنا جرير عن المغيرة قال: كان حماد يصيبه المس فإذا أصابه شيء من ذلك ثم ذهب عنه عاد إلى الموضع الذي كان فيه۔ (کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی: ج ۱: ص ۳۰۷)

سند کی تحقیق:

حافظ ابوجعفر العقیلیؒ (م ۳۲۲ھ) اور ان کے شیخ محمد بن ایوب بن یحیی بن الضریس، ابوعبداللہؒ (م ۲۹۴ھ)، دونوں ثقہ، حافظ ہیں۔ (کتاب الثقات للقاسم: ج ۸: ص ۱۹۷، ج ۱: ص ۴۴۶)، یحیی بن مغیرۃ السعدی الرازیؒ صدوق ہیں۔ (تاریخ الاسلام: ج ۵: ص ۴۸۱)، جریر بن عبدالحمید الضبی الرازیؒ (م ۱۸۸ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (تقریب: رقم ۹۱۶)، مغیرۃ بن مقسم الکوفیؒ (م ۱۳۶ھ) بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ، متقن ہیں۔ (تقریب: رقم ۶۸۵۱)، یعنی اس کے بھی تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں اور سند حسن ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کا آخری عمر میں مرگی یا کوئی بیماری کی وجہ سے بھی حافظہ خراب نہیں ہوا تھا، یہاں تک وہ جانتے تھے کہ بیہوشی سے پہلے انہوں نے کونسی روایت، کہاں تک پڑھی تھی اور پھر باوضوء ہوکر وہیں سے شروع کرتے۔

سوم		جامعہ اسلامیہ کے فاضل، فاروق عبداللہ بن شرف الحق کے قول **''مرگی یا جنون حماد پر اس قدر غالب نہ تھی کہ اختلاط یا تلقین کے شکار ہوجائیں''** پر دلیل یہ بھی ہے کہ اخیر عمر میں تو مختلط راوی کی عقل اور حافظہ خراب ہوجاتا ہے اور قول وفعل میں کوئی ترتیب ومطابقت بھی نہیں رہتی، جیسا کہ تفصیل گزر چکی، مگر جب ہم حماد کے آخری عمر کے حالات دیکھتے ہیں: تو وہ تو روایت کی قرأت تک کی جگہ کو محفوظ رکھتے تھے، کما مر، جو کہ ایک مختلط راوی سے صادر ہونا محال ہے۔		اس لحاظ سے بھی حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کا مختلط ہونا مرجوح معلوم ہوتا ہے۔

چہارم		بالفرض اگر کوئی ابن سعدؒ کی عبارت میں ''قالوا'' کا تعین کردے، تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کا

حافظہ آخری عمر میں ہلکا سا متغیر ہوگیا تھا، چنانچہ شیخ العطاب الحمیری اپنے رسالے ''معالجة النصوص المتعارضة في حماد بن أبي سليمان من خلال (تهذيب التهذيب)'' میں کہتے ہیں کہ ''الذي يظهر أن الإمام ابن سعد يريد بقوله (اختلط في آخر أمره) التغير لا أكثر، وقد راجعت كتب المختلطين فلم أرَ من ذكر حماد في المختلطين، فقوي الظن عندي أن مراد الإمام ابن سعد هو التغير لأن حماد ممن يعد في المختلطين...''۔(الألوكة المجلس العلمی)

- الدکتور قاسم علی سعد کی بھی یہی رائے ہے۔(**منہج الامام ابی عبدالرحمٰن النسائی فی الجرح والتعدیل: ص ۶۹۶-۶۹۷**) اور آخری عمر میں راوی کا ''اختلاط کا ہونا'' اور ''حافظہ کا ہلکا سا متغیر ہوجانا''، دونوں میں بڑا فرق ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ

''هشام بن عروة أحد الاعلام حجة إمام لكن في الكبر تناقص حفظه ولم يختلط أبدا، ولا عبرة بما قاله أبو الحسن بن القطان من أنه وسهيل بن أبي صالح اختلطا، وتغيرا.

نعم الرجل تغير قليلا ولم يبق حفظه كهو في حال الشبيبة، فنسي بعض محفوظه أو وهم، فكان ماذا! أهو معصوم من النسيان''۔

ہشام بن عروہؒ بڑے محدثین میں سے ہیں، حجت ہیں، امام ہیں، لیکن بڑھاپے میں حافظہ کم ہوگیا تھا، البتہ آپ اختلاط کا شکار ہرگز نہیں ہوئے، اور ابوالحسن القطان کے اس قول کا کوئی اعتبار نہیں کہ ہشام اور سہیل بن ابی صالح مختلط ہو گئے تھے اور ان کا حافظہ بدل گیا تھا۔ ہاں، ہشام کا حافظہ تھوڑا سا بدل گیا تھا، اور ان حافظہ اس طرح کا باقی نہیں رہا تھا جیسا جوانی میں تھا، لہذا آپ اپنی یادکردہ بعض حدیثوں کو بھول گئے یا وہم کا شکار ہو گئے، تو کیا ہوا! کیا وہ نسیان سے معصوم ہیں۔(**میزان الاعتدال: ج ۴: ص ۳۰۱**)

خلاصہ یہ کہ اصطلاحی اختلاط کا دعوی مردود ہے۔

پنجم جہاں تک امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کے اقوال کی بات ہے، تو انکے اقوال، حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کے مختلط ہونے پر صریح نہیں ہیں، کیونکہ اس میں صرف قدیم السماع اور متاخر السماع تلامذہ کی تفریق اور متاخر السماع تلامذہ کی روایات میں خطاء وارد ہونے کی بات ہے، مگر متاخر السماع تلامذہ کی روایات میں خطاء کی وجہ، امام احمدؒ کے نزدیک، حمادؒ کا اختلاط ہے، اس کی صراحت، ان کی کسی قول میں نہیں ملی، یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ کے اقوال کی توضیح وتاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔

- حافظ نور الدین الہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) نے امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) کے قول سے حماد کے مختلط ہونے پر استدلال کیا ہے۔(**مجمع الزوائد: حدیث نمبر ۲۷۴**)، لیکن حافظ شمس الدین الذہبیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ کئی متاخر ائمہ جرح وتعدیل نے امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) کے قول سے حماد کے مختلط ہونے پر استدلال نہیں کیا ہے، جیسا کہ ان حضرات کے اقوال آگے آرہے ہیں۔

- امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) کے قول کا علم ہونے کے باوجود، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کہتے ہیں کہ ''فقيه صدوق له أوهام و

رمی بالإرجاء'' حمادؒ فقیہ ہیں، صدوق ہیں، ان کے کچھ اوہام ہیں اور ان پر ارجاء کی تہمت لگائی گئی ہے۔ (تقریب: رقم ۱۵۰۰)، اور فتح الباری میں کہتے ہیں کہ ''في حفظه مقال''۔ (فتح الباری: ج۱: ص۳۲۹)، یعنی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کے نزدیک، ان کے کچھ اوہام کی وجہ سے ان کے حافظہ پر کلام کیا گیا ہے، لہذ وہ صدوق، حسن الحدیث ہیں۔

معلوم ہوا کہ حافظؒ نے امام احمدؒ کے قول ''أما حماد فرواية القدماء عنه مقاربة: شعبة، والثوري، وهشام، يعني الدستوائي. قال: وأما غيرهم فقد جاؤوا عنه بأعاجب'' سے اختلاط اصطلاحی نہیں، بلکہ حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کے کچھ ''مطلق'' اوہام مراد لیے ہیں اور ان کو مطلق صدوق، حسن الحدیث قرار دیا ہے۔

- حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کہتے ہیں: ''إنما التخليط فيها من سوء حفظ الراوي عنه'' ان کی روایتوں میں تخلیط [خطاء]، ان سے روایت کرنے والے رواۃ کے سوءِ حفظ کی بناء پر ہے۔ (سیر: ج۵: ص۲۳۶)، یعنی حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کے نزدیک، حماد کی روایت میں تخلیط [خطاء]، ان کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان سے روایت کرنے والے راوی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔

- الدکتور قاسم علی سعد کہتے ہیں کہ ''وأما احمد بن حنبل فانه غمزه بشيئ فيه احتمال لكنه رفع من شانه في غالب الروايات عنه مبيناً ان الضعف في حديثه يحمل على الرواة عنه، لا عليه لأن من امعن النظر في اقوال احمد علم ان مراده اظهار تغير حماد بأخرة - كما فعل ابن سعد - ، فحديث القدماء عنه مستقيم وحديث المتأخرين فيه تخليط..........وخلاصة القول: ان حماد بن أبي سليمان ثقة فيما روى عنه القدماء من الثقات، صحيح الحديث، وهو فيما سوى ذلك مما لم يستنكر عليه صدوق، حسن الحديث، وليس دون هذا، لأنه من المكثرين''۔

امام احمدؒ ان پر ایسی جرح کی ہے جو قابل تحمل ہے، لیکن ان سے مروی اکثر روایات میں انہوں نے حمادؒ کی شان کو بلند کیا ہے، یہ بیان کرتے ہوئے کہ ان کی حدیث میں ضعف ان سے روایت کرنے والوں کی وجہ سے ہے، نہ کہ ان کی وجہ سے، اس لئے کہ جو امام احمدؒ کے اقوال میں غور کرے گا اسے یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے گا کہ امام احمدؒ کی مراد اخیر عمر میں حماد کے تغیر کا اظہار ہے، جیسا کہ ابن سعدؒ نے کیا ہے، پس قدماء کی ان سے روایت ٹھیک ہیں جبکہ متأخرین کی ان سے روایت میں تخلیط ہے، خلاصہ یہ کہ حماد بن ابی سلیمانؒ، جب ان سے قدیم ثقہ رواۃ روایت کریں تو ثقہ اور صحیح الحدیث ہیں، البتہ ان کے علاوہ (راویوں کی روایت) میں جبکہ وہ روایت آپ کی منکرات میں سے نہ کہی جاتی ہو، صدوق، حسن الحدیث ہیں، اس سے کم نہیں ہیں، اس لئے کہ آپ مکثرین میں سے ہیں۔ (منہج الامام النسائی: ص۶۹۶-۶۹۷)

غور فرمائیں! حماد کی جن روایتوں پر منکر کا حکم نہیں لگایا، اس میں وہ بغیر کسی زمانے کی قید کے، مطلق صدوق، حسن الحدیث ہونگے، اس سے معلوم ہوا کہ الدکتور قاسم علی سعد کے نزدیک، حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کا حافظہ آخری عمر میں ہلکا سا متغیر تو ہو گیا تھا، مگر وہ صحت حدیث کے لئے مضر نہیں ہے۔ واللہ اعلم

۳: امام ابوداودؒ بھی حماد کو مختلط ہی سمجھتے تھے، جیسا کہ ان کے سوال سے واضح ہے: ''**قلت :هشام كيف سماعه؟قال: قديم**'' یعنی ہشام کا حماد سے سماع کیسا ہے؟ تو امام احمد نے فرمایا: قدیم ہے۔(**سوالات ابی داود: ص۱۱۹**)[۱]

نیز کتب مختلطین کے مصنفین مثلاً حافظ صلاح الدین العلائیؒ (م۷۶۱ھ) نے ''**المختلطين**'' میں، حافظ سبط ابن العجمیؒ (م۸۴۱ھ) نے ''**الاغتباط بمن رمي من الرواة بالاختلاط**'' میں اور امام ابن الکیالؒ (م۹۲۹ھ) نے اپنے کتاب ''**الكواكب النيرات في معرفة من اختلط من الرواة الثقات**'' میں حماد بن ابی سلیمانؒ (م۱۲۰ھ) کا ترجمہ ذکر نہیں کیا۔ یعنی ان حضرات کے نزدیک بھی امام احمدؒ (م۲۴۱ھ) کا قول، حماد بن ابی سلیمانؒ (م۱۲۰ھ) کے مختلط ہونے پر صریح نہیں ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ کہ امام احمدؒ (م۲۴۱ھ) کے اقوال سے، حماد بن ابی سلیمانؒ (م۱۲۰ھ) کے مختلط ہونے پر استدلال مرجوح ہے۔ واللہ اعلم

(۱) امام احمدؒ (م۲۴۱ھ) کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک ہشام الدستوائیؒ (م۱۵۴ھ) کا سماع، حماد سے قدیم ہے اور حماد بن سلمہؒ (م۱۶۷ھ) کے بارے میں امام احمدؒ (م۲۴۱ھ) کہتے ہیں: ''**و لكن حماد عنده عنه تخليط، يعني: حماد بن سلمة**'' حماد بن ابی سلیمانؒ (م۱۲۰ھ) سے حماد بن سلمہؒ (م۱۶۷ھ) خطاء والی روایتیں ذکر کی ہے۔ (**تہذیب الکمال: ج۷: ص۲۷۱**)، مگر ایک روایت میں کہتے ہیں کہ ''**حماد على ذاك لا بأس به**'' یعنی حماد بن سلمہؒ (م۱۶۷ھ) کا حماد بن ابی سلیمانؒ (م۱۲۰ھ) سے سماع میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (**ایضاً**)، جب کہ امام ابن سعدؒ (م۲۳۰ھ) کہتے ہیں کہ ''**و قدم حماد بن أبي سليمان البصرة على بلال بن أبي بردة وهو واليها فسمع منه هشام الدستوائي و حماد بن سلمة وغيرهما في تلك القدمة**'' حماد بن ابی سلیمانؒ، بلال بن ابی بردہؒ کے پاس بصرہ آئے تھے، جبکہ وہ وہاں کے والی تھے، پس ہشام الدستوائی اور حماد بن سلمہ وغیرہ محدثین نے آپ کی اسی تشریف آوری میں آپ سے سماع حدیث کیا تھا۔ (**الطبقات لابن سعد: ج۶: ص۳۳۳**)،

ابن سعدؒ (م۲۳۰ھ) کے اس تفصیلی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ہشام الدستوائیؒ (م۱۵۴ھ) اور حماد بن سلمہؒ (م۱۶۷ھ) نے ایک ساتھ، ایک ہی وقت میں حماد بن ابی سلیمانؒ (م۱۲۰ھ) سے سماع کیا تھا۔ یعنی جب دونوں حضرات قدیم السماع تھے، تو حماد بن سلمہؒ (م۱۶۷ھ) کی روایت میں تخلیط اور خطاء کیسے واقع ہوئی؟؟ نیز زبیر علی زئی صاحب نے مناقب الشافعی کے حوالے سے جو روایت ذکر کی ہے، جس سے موصوف نے حماد کے وہم کی نشاندہی کی ہے، (دیکھئے ص:) وہ تو شعبۃ بن الحجاجؒ (م۱۶۰ھ) سے مروی ہے اور شعبہؒ بالاتفاق حمادؒ سے قدیم السماع ہیں، اسی طرح موصوف نے حمادؒ کا قول: ''**يا شعبة لا يوفقني على ابراهيم فان العهد قد طال و اخاف ان انسى او اكون قد نيست**'' نقل کیا، مگر وہ بھی شعبہؒ سے مروی ہے، تو سوال یہی ہے کہ شعبہؒ کی روایات میں تو حماد مستقیم الحدیث ہیں، اسی طرح حماد بن سلمہؒ (م۱۶۷ھ) بھی قدیم السماع ہیں تو پھر یہ اوہام، ان دونوں کی روایات میں کیسے واقع ہوئی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م۸۵۲ھ) حمادؒ کے ترجمہ میں ''**له أوهام**'' سے یہ اشارہ کر دیا کہ یہ اوہام، ان سے جو صادر ہوئے ہے، وہ مطلق ہیں، یعنی قدیم اور متاخر،

۴: امام ابوبکر الاثرم کے سوال سے بھی یہی مترشح ہے کہ وہ حماد بن ابی سلیمان کو مختلط سمجھتے تھے۔(**سوالات ابی بکر الاثرم: ص ۱۲۰**)[۱]

۵: علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا: ''**لا یقبل من حدیث حماد الا ما رواہ عنہ القدماء: شعبة و سفیان الثوری و الدستوائی و ما عدا ھؤلاء رواہ عنہ بعد الاختلاط**'' حماد سے وہی حدیث قبول کی جائے گی، جو ان کے پہلے شاگرد شعبہ، سفیان ثوری اور (ہشام) دستوائی بیان کریں اور جو ان کے علاوہ ہیں، انھوں نے ان سے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے۔(**مجمع الزوائد ۱/۱۱۶**)[۲]

ہماری زیر بحث روایت بھی حماد کے بعد از اختلاط ہے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ زید بن ابی انیسہ نے حماد سے قبل از اختلاط سنا ہو، ہمارے بعض احباب نے جمع تفریق کر کے ابن ابی انیسہ کو قدیم تلامذہ میں شمار کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس فن میں دلیل کے بغیر جمع وتفریق کا کوئی فائدہ نہیں، لہذا ضروری ہے کہ محدثین کی جماعت سے ثابت کیا جائے کہ زید بن ابی انیسہ نے حماد بن ابی سلیمان سے ان کے اختلاط سے پہلے سنا، **اذ لیس فلیس**۔[۳]

دونوں اوقات میں یہ اوہام واقع ہوئے ہیں۔خلاصہ یہ کہ جب دونوں حالتوں میں حمادؒ سے اوہام واقع ہوئے ہے، تو پھر قدیم السماع اور متاخر السماع تلامذہ کی تفریق کا کچھ خاص فائدہ نہیں ہوگا۔اور جب تفریق کا ہی کچھ خاص فائدہ نہیں ہے، تو پھر امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) کے کلام سے، حمادؒ کے مختلط ہونے پر استدلال بدرجہ اولی کمزور ہوگا۔واللہ اعلم

(۱) اس کا جواب دیا جاچکا کہ حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کا آخری عمر میں مختلط ہونا ہی کسی ثقہ، امام سے صریح طور پر ثابت ہی نہیں ہے، محض قدیم السماع اور متاخر السماع تلامذہ کی تفریق سے راوی کا ''مختلط'' ہونا صریح طور پر ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) حافظ نور الدین الہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) سے پہلے حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) وحافظ صلاح الدین العلائیؒ (م ۷۶۱ھ) اور اسی طرح، ان کے بعد، حافظ سبط ابن العجمیؒ (م ۸۴۱ھ)، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) اور امام ابن الکیالؒ (م ۹۲۹ھ) وغیرہ کے نزدیک امام حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) مختلط نہیں تھے۔نیز جس دلیل کی بنیاد پر حافظ ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) ان کے مختلط ہونے کا دعوی کیا، وہ بھی صریح نہیں ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

(۳) یعنی زبیر علی زئی صاحب کو صرف محدثین کی ''تقلید'' ہی کرنا ہے اور کچھ نہیں۔لیکن جب موصوف کو اپنے مطلب کے مختلط راوی ''عبداللہ بن سلمہ المرادی'' کی روایت کو قبل الاختلاط ثابت کرنا ہوتا ہے، تو اپنے اصول کو نظر انداز کر کے ''اپنی جمع تفریق'' پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عمرو بن مرہ عن عبداللہ بن سلمہ کی سند کو درج ذیل محدثین نے صحیح وحسن قرار دیا ہے۔(**دین میں تقلید کا مسئلہ: ص ۳۶**)، جبکہ کسی محدث نے صراحت نے نہیں کی کہ عبداللہ بن سلمہ المرادی سے عمرو بن مرہ نے قبل الاختلاط روایت لی ہے۔بس ایسی دیانت دار سے اللہ پاک ہماری حفاظت فرمائے۔۔۔آمین۔

۷: امام شعبہؒ نے فرمایا: ''قال لی حماد بن ابی سلیمان: یاشعبۃ لا یوقفنی علی ابراھیم فان العھد قد طال و اخاف ان انسی او اکون قد نسیت'' حماد بن ابی سلیمان نے مجھ سے کہا: اے شعبہ! مجھے ابراہیم پر موقوف نہ کرو، کیونکہ زمانہ طویل گزر چکا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ میں بھول جاؤں یا بھول ہی چکا ہوں۔

علامہ عبدالرحمٰن المعلمیؒ، اس قول کی وضاحت یوں فرماتے ہیں: ''اذا قلت قال ابراھیم او نحو ذلک، فلا تسالنی: اسمعتہ من ابراھیم ام لا؟ فیتبین بھذا انہ قد کان یقول: ''قال ابراھیم'' و نحوہ فیما لا یتحقق انہ سمعہ من ابراھیم'' یعنی جب میں کہوں ابراہیم نے کہا، یا اس طرح کا کلام تو سوال کر کے مجھے ٹوکا نہ کرو کہ آیا، تو نے ابراہیم سے سنا بھی ہے یا نہیں؟ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حماد بن ابی سلیمان بعض اوقات وہاں بھی ''قال ابراہیم'' وغیرہ کہہ دیتے، جہاں انھیں سماع متحقق نہ ہوتا۔ (**التنکیل ۳۱/۲**)[۱]

حماد بن ابی سلیمان کے اپنے کلام اور علامہ معلمیؒ کی توضیح سے حماد کی تخلیط و تدلیس عیاں ہے۔

مذکورہ دلائل کے مقابلے میں بعض احباب یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اختلاط سے مراد حماد کی جنون اور مرگی کی بیماری تھی۔ (**بغیۃ اہل الحاجۃ۔۔۔ص ۳۶،۳۵**)

قطع نظر اس کے کہ مغیرہ اور معمر کے اقوال کی استنادی حیثیت کیا ہے، یہ تاثر درست نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ امام احمدؒ جیسے جلیل القدر جمہور محدثین اختلاط اور عام بیماری میں فرق کرنے سے قاصر رہے جو کہ بالکل غلط ہے، علاوہ ازیں مرگی کی بیماری اور اختلاط

---

(۱) ائمہ محدثین کا اصول ہے کہ اگر کوئی مدلس راوی کسی استاد کی صحبت اور اس سے روایت کرنے میں معروف ہے، اپنے شیخ سے روایت کرنے میں مکثر ہو، پھر وہ راوی اپنے اور شیخ سے روایت کرنے میں نامعلوم فرد کو داخل کرے، تو صرف نامعلوم فرد والی روایت کو ترک کیا جائے گا اور اس نامعلوم فرد کی روایت سے، اس راوی کی دیگر روایات کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے **ص: ۳۵**)۔

لہذا حماد بن ابی سلیمانؒ کے اپنے کلام اور علامہ معلمیؒ کی توضیح سے ''حماد عن ابراہیم'' کی سند پر کوئی فرق نہیں پڑھتا، جب تک کہ نامعلوم شخص ظاہر نہ ہو جائے، کیونکہ حمادؒ، ابراہیمؒ سے روایت کرنے میں ''مکثر'' اور ''ثبت'' ہیں۔ (دیکھئے **ص: ۳۳**)

(۲) میں کہتا ہوں کہ

اولاً کسی ثقہ، امام نے صراحتاً نہیں کہا کہ حمادؒ (**م ۱۲۰ھ**) مختلط ہو گئے تھے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

دوم جب کسی ثقہ، امام سے ثابت ہی نہیں ہے، تو اس جواب کا کیا فائدہ ہوگا؟؟؟

سوم نیز کیا زبیر علی زئی امام احمد اور محدثین کو معصوم سمجھتے ہیں کہ ان سے کوئی خطاء نہ ہو۔ دیکھئے حافظ ابوالحسن ابن قطانؒ (**م ۶۲۸ھ**) نے ہشام بن عروۃؒ پر اختلاط اور تغیر الحفظ کا الزام لگایا، تو جواب میں، ان کا رد کرتے ہوئے، ذہبیؒ نے کہا کہ: وہ اختلاط نہیں، بلکہ بڑھاپے کی وجہ

''دو'' علاحدہ علاحدہ امر ہیں، انھیں ایک سمجھنا خلط مبحث کے علاوہ کچھ نہیں۔[۲]

نیز امام ذہبیؒ نے محض اقوال ذکر کئے ہیں، نہ تقابل کیا اور نہ کوئی توضیح بیان فرمائی ہے،[۱]، باقی یہ کہنا کہ ''ان کی روایتوں میں تخلیط ان سے روایت کرنے والے رواۃ کے سوء حفظ کی بنا پر ہے۔(بغیۃ اہل الحاجۃ ۔۔۔۔ص ۳۸)

تو یہ بھی محل نظر ہے، کیونکہ اہل علم کی ایک جماعت خود حماد بن ابی سلیمان کو سوئے حفظ سمجھتی ہیں،[۲] چنانچہ فضیلۃ الشیخ ابواسحاق الحوینی حفظہ اللہ نے بھی حماد بن ابی سلیمان کو مختلط اور سی ء الحفظ قرار دیا ہے۔ دیکھئے بذل الاحسان (۱/ ۱۹۳)[۳]

محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے تو واضح لکھا: ''امام صاحب کی حماد سے یہاں روایت میں سند میں راوی کے نام میں اختلاف حماد کے اختلاط کا نتیجہ ہے۔'' (مقالات ۳/ ۱۳۱)[۴]

سے آدمی کا کچھ باتوں کو بھول جانا تھا، جس کا حوالہ گزر چکا۔(دیکھئے ص:)، اسی طرح یحیی بن سعید القطانؒ (م ۱۹۸ھ) سے بھی ایک روایت مروی ہے، جس میں ہے کہ ''أن يحيى القطان كان يضعف أشياء حدث بها هشام بن عروة في آخر عمره، لاضطراب حفظه، بعدما أسن'' ۔(شرح علل الترمذی لابن رجب: ج ۲:ص ۶۸۲)، جو کہ زبیر صاحب کے منہج کے مطابق، ان کے اختلاط پر دلیل ہوگی، اب کیا زبیر علی زئی صاحب کی زبان میں یہی کہا جائے گا کہ یحیی بن سعید القطانؒ اور ابن القطان الفاسیؒ عام اختلاط اور بڑھاپے کی وجہ سے کچھ باتوں کو بھول جانے میں فرق نہ کر سکے اور ان کے حافظہ پر کلام کر دیا۔ علاوہ ازیں بڑھاپے کی وجہ سے کچھ باتوں کو بھول جانا اور اختلاط ''دو'' علاحدہ علاحدہ امر ہیں، انھیں ایک سمجھنا خلط مبحث کے علاوہ کچھ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ انبیاءؑ کے علاوہ، سب سے خطاء کا وقوع ممکن ہے، مگر زبیر صاحب کے اقوال سے حمادؒ کا اختلاط ثابت ہی نہیں ہوتا۔

(۱)　حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ)، امام احمدؒ کے قول کی توضیح فرمائی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

قال أبو داود: سمعت أبا عبد الله أحمد يقول: حماد مقارب الحديث، ما روى عنه سفيان، و شعبة، و لكن حماد بن سلمة عنده عنه تخليط. فقلت لأحمد: أبو معشر أحب إليك أم حماد في إبراهيم؟ قال: ما أقربهما!

و قال الأثرم: عن أبي عبد الله: أما روايات القدماء عن حماد فمقاربة، كشعبة و سفيان و هشام، و أما غيرهم، فقد جاؤوا عنه بأعاجيب. قلت له: حجاج و حماد بن سلمة؟ فقال: حماد على ذاك لا بأس به. ثم قال أحمد: و قد سقط فيه غير واحد مثل محمد بن جابر و ذاك. و أشار بيده، فظننا أنه عنى سلمة الأحمر أو عنى غيره. قال كاتبه: إنما التخليط فيها من سوء حفظ الراوي عنه۔　　　لہذ عدم توضیح والی بات محل نظر ہے۔

(۲)　حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کو ''سوء الحفظ'' کہنا، جمہور کی توثیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے، دیکھئے ص: ۲۸۔

(۳)　حمادؒ کو صراحتاً کسی ''ثقہ، امام'' نے مختلط نہیں کہا ہے۔ کما مر،　　　(۴)　بے دلیل بات ہے۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے بھی حماد بن ابی سلیمان کو سوء حفظ قرار دیا ہے۔(**الجرح والتعدیل ٣/ ١٤٧**)[١]

مذکورہ بالا اقوال کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخلیط حماد سے روایت کرنے والے رواۃ کی بنا پر نہیں، بلکہ خود ان کے سئی الحفظ ہونے کی وجہ سے ہے۔(**نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ: ص ٤-٨**)

---

(١) ثقہ، حافظ، مفسر، امام ابو عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم الرازیؒ (م ٣٢٧ھ) کے الفاظ یہ ہیں:

''حدثنا عبد الرحمن أنا ابن أبي خيثمة فيما كتب إلي نا يحيى بن معين نا حجاج الأعور عن شعبة قال: كان حماد ومغيرة أحفظ من الحكم۔قال أبو محمد يعني مع سوء حفظ حماد للآثار أحفظ من الحكم''۔

مگر امام ابو عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم الرازیؒ (م ٣٢٧ھ) کی یہ توضیح قابل غور ہے۔ کیونکہ

- امام شعبہؒ (م ١٦٠ھ) ان سے روایت لی ہے۔(**الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ج ٣: ص ١٤٦-١٤٧**) اور وہ اپنے نزدیک صرف ثقہ سے روایت لیتے تھے۔(**اتحاف النبیل: ج ٢: ص ٩٩**)

- ایک روایت میں بقیۃ بن الولیدؒ کہتے ہیں کہ **''قلت لشعبة لم تروي عن حماد بن أبي سليمان و كان مرجئا, قال: كان صدوق اللسان''** میں نے شعبہؒ سے کہا کہ آپ حمادؒ سے کیوں روایت لیتے ہیں، جب کہ وہ تو مرجی ہے، تو جواب میں امام شعبہؒ (م ١٦٠ھ) کہتے ہیں کہ وہ صدوق ہیں۔(**الکامل لابن عدی: ج ٣: ص ٥**)، اب اگر شعبہؒ کے نزدیک، حمادؒ سئی الحفظ ہوتے، -جیسا کہ حافظ ابن ابی حاتمؒ کا گمان ہے- تو کیا وہ، حمادؒ سے روایت کرتے ؟؟؟

- الدکتور قاسم علی سعد کہتے ہیں کہ

''فشعبة قال: كان حماد بن ابى سليمان لا يحفظ و قال ايضاً لما سئل عنه و عن الحكم: كان اكثرهما حديثاً الحكم و كان حماد اجدهما راياً و علق ابن ابى حاتم فى الجرح و التعديل على الكلام الاول بقوله: يعنى ان الغالب عليه الفقه و انه لم يرزق حفظ الآثار۔و لكن شعبة قال ايضاً: كان حماد و مغيرة احفظ من الحكم و قد مر قريباً قوله لبقية: كان صدوق اللسان و علق ابن ابى حاتم فى الجرح و التعديل على الكلام الاول بقوله يعنى مع سوء الحفظ حماد للآثار, احفظ من الحكم, لكن يكفى فى بيان تعديل شعبة له روايته''۔(**المنہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل: ص ٦٩٦**)

لہذا شعبہؒ کے نزدیک، حمادؒ کم از کم صدوق ہیں، ابن ابی حاتمؒ (م ٣٢٧ھ) کی توضیح مرجوح ہے، واللہ اعلم

مزید یہ کہ وہ اصحاب الحدیث میں سے ہیں اور اصحاب الحدیث، اصحاب الرائے کے سلسلے میں متشدد تھے، اس لحاظ سے بھی ان کی تاویل مقبول نہیں۔(**مجلہ الاجماع: ش ١٨: ص ٣٢**)، نیز دیکھئے ص: ٢٨۔

نصر الرحمٰن فی توثیق الامام حماد بن ابی سلیمان۔

مولانا نذیر الدین قاسمی -

مشہور فقیہ، امام، حافظ الحدیث، شیخ ابی حنیفۃ، ابو اسماعیل، حماد بن ابی سلیمان الکوفیؒ (م ۱۲۰ھ) حدیث میں جمہور ائمہ علل و ائمہ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، تفصیل درج ذیل ہیں:

- ثبت، امام، الحکم بن عتیبہؒ (م ۱۱۳ھ) کہتے ہیں کہ ''و من فیھم مثل حماد'' اہل کوفہ میں حماد جیسا کون ہوگا؟۔(الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم: ج ۳: ص ۱۴۶)

- ثقہ، امام ابو اسحاق الشیبانیؒ (م ۱۴۰ھ)، حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کی تعریف کرتے تھے۔(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ج ۳: ص ۱۴۶)

- ثقہ، اثبت الناس فی الزہری، امام معمر بن راشدؒ (م ۱۵۳ھ) نے کہا: ''ما رأیت مثل حماد''۔(الجرح والتعدیل: ج ۳: ص ۱۴۷)

- امیر المومنین فی الحدیث، امام شعبۃ بن الحجاجؒ (م ۱۶۰ھ) کہتے ہیں کہ ''کان حماد و مغیرۃ أحفظ من الحکم''۔ (الجرح والتعدیل: ج ۳: ص ۱۴۷)

* بقیۃ بن الولیدؒ (م ۱۹۷ھ) کہتے ہیں کہ ''قلت لشعبة لم تروي عن حماد بن أبي سليمان و كان مرجئا، قال: كان صدوق اللسان''۔(الکامل لابن عدی: ج ۳: ص ۵)

- حجت، امام سفیان بن عیینہؒ (م ۱۹۸ھ) کہتے ہیں کہ

''کان حماد أبطن بإبراهيم من الحكم''

ابراہیم نخعیؒ سے حکمؒ کے مقابلے حماد زیادہ قریب تھے۔(الجرح والتعدیل: ج ۳: ص ۱۴۷)

- امام الجرح والتعدیل، امام یحیی بن سعید القطانؒ (م ۱۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''حماد أحب إلي من مغيرة''۔(الجرح و التعدیل: ج ۳: ص ۱۴۷)

<u>نوٹ:</u>

یہاں پر یحیی بن سعید القطانؒ (م ۱۹۸ھ) نے حماد کو مغیرہ پر مطلق طور پر ترجیح دی ہے، یعنی ابراہیم اور غیر ابراہیم، دونوں

طرح کی روایتوں میں۔(دیکھئے)

- امام یحیی بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) کہتے ہیں کہ ''حماد بن أبي سليمان ثقة''۔(من كلام أبي زكريا يحيى بن معين في الرجال (رواية طهمان): رقم ۱۶۰)

* ثقہ، ثبت، امام اسحاق بن منصور الکوسجؒ (م ۲۵۱ھ) کہتے ہیں کہ

''عن يحيى بن معين أنه سئل عن مغيرة و حماد أيهما أثبت؟ قال: حماد: و قال: حماد بن أبي سليمان ثقة''

ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ حمادؒ اور مغیرہؒ میں سے کون زیادہ اثبت ہیں؟؟ تو انہوں نے کہا: حماد اور حمادؒ ثقہ ہیں۔(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ج ۳: ص ۱۴۷)

* ابراہیم بن عبداللہ بن الجنیدؒ کہتے ہیں کہ

''قلت ليحيى بن معين: مغيرة أحب إليك أو حماد بن أبي سليمان؟ فقال يحيى بن معين: أنا سمعت يحيى بن سعيد يقول: (حماد بن أبي سليمان أحب إلي من مغيرة)، فقلت ليحيى بن معين: (وأنت، مغيرة أحب إليك أو حماد؟)، قال: حماد أحب إلي، كما قال يحيى، قلت ليحيى بن معين: في إبراهيم؟ قال: في إبراهيم وغيره''

میں نے یحییٰ بن معینؒ سے کہا: مغیرآپ کو زیادہ پسند ہیں یا حماد بن ابی سلیمان، تو یحییٰ بن معین نے کہا: میں نے یحییٰ بن سعیدؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ حماد بن ابی سلیمان مجھے مغیرہ سے زیادہ محبوب ہے۔تو میں نے یحییٰ بن معینؒ سے کہا: آپ کے نزدیک مغیرہ زیادہ پسندیدہ ہیں یا حماد؟ تو انہوں نے کہا حماد مجھے زیادہ پسند ہیں، جیسا کہ یحییٰ (القطانؒ) نے کہا، میں نے یحییٰ بن معینؒ سے کہا: ابراہیمؒ کے باب میں؟ تو انہوں نے کہا ابراہیم کے باب میں بھی اور ان کے علاوہ میں بھی۔(سؤالات ابن الجنید: رقم ۲۸۵)

* ثقہ، حافظ عباس الدوریؒ (م ۲۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ

''عن يحيى بن معين: يقدم حماد بن أبي سليمان على أبي معشر، يعني زياد بن كليب''

ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) سے روایت ہے، وہ حماد بن ابی سلیمانؒ کو ابو معشر، زیاد بن کلیبؒ پر مقدم کرتے [تھے]۔(الجرح و التعدیل: ج ۳: ص ۱۴۷)

- امام علی بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) فرماتے ہیں کہ ''و مغيرة كان أعلم الناس بإبراهيم ما سمع منه و ما لم يسمع، لم يكن أحد أعلم به منه حمل عنه و عن أصحابه، ثم كان أبو معشر و حماد، و حماد فوق أبي معشر''۔(المعرفۃ والتاریخ: ج ۳: ص ۱۵)

- امام ابوداودؒ (م ۲۷۵ھ) کہتے ہیں کہ ’’قلت لأحمد: مغيرة أحب إليك في إبراهيم، أو حماد؟ قال: أما فيما روى سفيان و شعبة عن حماد، فحماد أحب إليّ؛ لأن في حديث الآخرين عنه تخليطًا‘‘

ابراہیمؒ کے باب میں آپ کو حماد زیادہ پسند ہیں یا مغیرہ؟ تو انہوں نے کہا: سفیان اور شعبہ نے حماد سے جو روایت کیا ہے اس میں تو حماد مجھے زیادہ پسند ہیں، کیوں کہ دوسروں کی ان سے روایت میں تخلیط ہے۔ (سؤالات ابی داود: رقم ۳۳۸)

یعنی امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) کے نزدیک، حمادؒ (م ۱۲۰ھ) سے جب سفیان، شعبہ وغیرہ حضرات روایت کریں، تو وہ مطلقاً، ان کو مغیرہؒ سے زیادہ محبوب ہونگے، چاہے وہ ابراہیم سے روایت کریں، یا غیر ابراہیم سے۔

- حافظ ابوالحسن العجلیؒ (م ۲۶۱ھ) کہتے ہیں کہ ’’حَمَّاد بن أبي سُلَيْمَان مولى الْأَشْعَرِيين كوفي ثِقَة فِي الحَدِيث كَانَ أفقه أَصْحَاب إِبْرَاهِيم‘‘۔ (کتاب الثقات للعجلی: رقم ۳۵۵)

- امام ابو محمد، عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوریؒ (م ۲۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ ’’حماد بن أبی سليمان راوية إبراهيم النّخعي‘‘۔ (المعارف للدینوری: ص ۴۷۴)

- امام محمد بن احمد، ابوعبداللہ المقدمیؒ (م ۳۰۱ھ) نے کہا: ’’حماد بن أبي سليمان صاحب إبراهيم‘‘۔ (التاريخ وأسماء المحدثين وكناهم: رقم ۴۰۹)

- ثقہ، امام، صاحب السنن، امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) فرماتے ہیں کہ ’’ثقة إلا أنه مرجيء‘‘۔ (اکمال تہذیب الکمال: ج ۴: ص ۱۵۱)

- حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے حماد کو ’’الثقات‘‘ میں شمار کیا اور کہا: ’’يخطيء و كان مرجئا سمع أنس بن مالك وأكثر روايته عن إبراهيم النخعي والتابعين و كان لا يقول بخلق القرآن‘‘۔ (کتاب الثقات لابن حبان: ج ۴: ص ۱۵۹-۱۶۰)

* نیز ان کو ’’مشاهير علماء الأمصار وأعلام فقهاء الأقطار‘‘ میں بھی شمار کیا ہے۔ (ص ۱۷۸)

- حافظ ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے کہا: ’’وحماد بن أبي سليمان كثير الرواية خاصة عن إبراهيم المسند و المقطوع ورأي إبراهيم ويحدث عن أبي وائل وعن غيرهما بحديث صالح ويقع في أحاديثه إفرادات و غرائب، وهو متماسك في الحديث لا بأس به‘‘۔ (الکامل لابن عدی: ج ۳: ص ۸)

- حافظ ابوحفص، ابن شاہینؒ (م ۳۸۵ھ) نے ان کو ’’الثقات‘‘ میں شمار کیا ہے۔ (تاریخ اسماء الثقات: ص ۶۶)

- حافظ ابن خلفونؒ (م ۶۳۶ھ) نے بھی، ان کو ''الثقات'' میں شمار کیا ہے۔(اکمال تہذیب الکمال: ج ۴: ص ۱۵۱)
- حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''فقيه الكوفة أبو إسماعيل حماد بن أبي سليمان الأشعري، مولاهم. صاحب إبراهيم النخعي ''۔(العبر للذہبی: ج ۱: ص ۱۱۶)

* ایک اور جگہ فرمایا: ''وتفقه: بإبراهيم النخعي، وهو أنبل أصحابه وأفقههم، وأقيسهم، وأبصرهم بالمناظرة والرأي ''۔(سیر: ج ۵: ص ۲۳۱)
* ایک جگہ کہا کہ ''حماد بن أبي سليمان، مسلم الفقيه: ثقة ضعفه محمد بن سعد ''۔(دیوان الضعفاء: رقم ۱۱۳۴)
* الکاشف میں فرماتے ہیں کہ ''ثقة إمام مجتهد كريم جواد ''۔(رقم ۱۲۲۱)

- امام ابو محمد عبداللہ الیافعیؒ (م ۷۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''وفقيه الكوفة أبو إسماعيل حماد بن أبي سليمان صاحب إبراهيم النخعي ''۔(مرآۃ الجنان: ج ۱: ص ۲۰۱)
- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کہتے ہیں کہ ''فقيه صدوق له أوهام ورمي بالإرجاء ''۔(تقریب: رقم ۱۵۰۰)
- محدث بدر الدین العینیؒ (م ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ ''وحماد بن أبي سليمان روى له الجماعة إلا البخاري، ووثقه يحيى القطان وأحمد بن عبد الله العجلي، وقال شعبة: كان صدوق اللسان ''۔(نخب الأفكار: ج ۴: ص ۱۶۷)

* ایک اور جگہ ان کو ''ثقہ'' بھی قرار دیا ہے۔(نخب الأفكار: ج ۱۱: ص ۱۱۶)

- حافظ احمد بن عبداللہ الخزرجیؒ (م بعد ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ ''قال النسائي ثقة مرجيء قال داود الطائي كان حماد يفطر في رمضان كل ليلة خمسين إنسان ''۔(خلاصۃ تذہیب الکمال: ص ۹۲)
- محدث عبداللہ بن محمد الدویشؒ (م ۱۴۰۹ھ) فرماتے ہیں کہ ''إسناده موقوف حسن رجاله كلهم ثقات رجال الشيخين غير حماد بن أبي سليمان فمن رجال مسلم وحده. وقال الحافظ في التقريب: صدوق له أوهام. وصحح إسناده السخاوي في القول البديع ''۔(تنبیہ القارئ لتقوية ما ضعفه الألباني: ص ۱۸۸)
- شیخ الالبانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) کہتے ہیں کہ ''وحماد وهو ابن أبى سليمان وإن كان فيه كلام من قبل حفظه فهو يسير, لا يسقط حديثه عن رتبة الاحتجاج به, وقد عبر عن ذلك الحافظ بقوله: "فقيه, ثقة, صدوق, له أوهام ''۔(ارواء الغلیل: ج ۲: ص ۵)
- شیخ مقبل بن ہادی الوادعیؒ (م ۱۴۲۲ھ) کے نزدیک بھی حمادؒ (م ۱۲۰ھ) صدوق اور صحیح کے راوی ہیں۔(الصحيح

المسند مما ليس في الصحيحين: ج۱:ص ۲۴۳، أحاديث معلة ظاهرها الصحة: ص ۱۵۴، ۲۱۲)

- محدث شعیب الارنووطؒ (م ۱۴۳۸ھ) اور

- الدکتور بشار العواد معروف –حفظہ اللہ– نے کہا: ''فقيهٌ صدوق حسن الحديث، وإنما نَزَلَ إلى هذه المرتبة بسبب أوهام كانت تقع له، وَثقه يحيى بن معين والنسائي والعجلي، وفضّله يحيى بن سعيد على مغيرة بن مقسم – وهو ثقة – لكنه كان منصرفا إلى الفقه معنيًا به ليس كعنايته بحفظ الآثار، لذلك قال أبو حاتم: هو صدوق لا يحتج بحديثه، وهو مستقيم في الفقه، فإذا جاء الآثار شوش، وضعّفه ابن سعد، ولعل بعض من ضعفه إنما كان ذلك بسبب كونه من أهل الرأي، وما نسِبَ إليه من الإرجاء، وهو تضعيف ضعيفٌ، وقال الذهبي: ثقة إمام مجتهد''۔ (تحریر تقریب التهذیب: رقم ۱۵۰۰)

- الدکتور ماہر یاسین الفحل –حفظہ اللہ– نے کہا: ''حسن؛ من أجل حمَّاد بن أبي سليمان – أحد رواته – فإنَّه صدوق له أوهام''۔ (بلوغ المرام: ص ۴۱۱، ت الفحل)

- الدکتور قاسم علی سعد –حفظہ اللہ– کہتے ہیں کہ ''خلاصة القول: ان حماد بن أبى سليمان ثقة فيما روى عنه القدماء من الثقات، صحيح الحديث، وهو فيما سوى ذلک مما لم يستنكر عليه صدوق، حسن الحديث، وليس دون هذا، لأنه من المكثرين''۔

خلاصہ یہ کہ حماد بن ابی سلیمان ثقہ اور صحیح الحدیث ہیں جبکہ ان سے ثقہ راویوں میں سے قدماء روایت کریں، البتہ ان کے علاوہ کی روایت میں، جبکہ وہ ان کی منکر روایت نہ ہو، صدوق اور حسن الحدیث ہیں، (ان کا مرتبہ) اس سے کم نہیں، اس لئے کہ وہ مکثرین میں سے ہیں۔ (منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل: ص ۶۹۶-۶۹۷)

- الدکتور عبد العزیز بن سعید التخیفی –حفظہ اللہ– فرماتے ہیں کہ

''فالراجح لدي قول من وثقه وانه ثقة، واصح الناس عنه حديثاً سفيان الثورى وشعبة وهشام الدستوائى وقد رمى بالارجاء''۔ (دراسة المتكلم فيهم من رجال تقريب التهذيب: ج۱: ص ۳۴۱)

خلاصہ یہ کہ حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) وغیرہ کے نزدیک صدوق، حسن الحدیث ہیں۔ لہذا ان کو ضعیف یا سئی الحفظ کہنا مردود ہے۔ واللہ اعلم

کیا حماد عن ابراہیم النخعی کی سند ضعیف ہے؟؟؟

مولانا نذیر الدین قاسمی

ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) سے روایت کرنے میں حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) مشہور، معروف اور مکثر ہیں۔ چنانچہ

- حجت، امام سفیان بن عیینہؒ (م ۱۹۸ھ) کہتے ہیں کہ ''کان حماد أبطن بإبراهيم من الحكم''۔ (الجرح والتعدیل: ج ۳: ص ۱۴۷)

- امام ابو محمد، عبد اللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوریؒ (م ۲۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ ''حماد بن أبی سليمان راوية إبراهيم النخعی''۔ (المعارف للد ینوری: ص ۴۷۴)

- امام محمد بن احمد، ابو عبد اللہ المقدمیؒ (م ۳۰۱ھ) نے کہا: ''حماد بن أبي سليمان صاحب إبراهيم''۔ (التاریخ وأسماء المحدثين و كناهم: رقم ۴۰۹)

- حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے حماد کو ''الثقات'' میں شمار کیا اور کہا: ''يخطىء وكان مرجئا سمع أنس بن مالك وأكثر روايته عن إبراهيم النخعي والتابعين وكان لا يقول بخلق القرآن''۔ (کتاب الثقات لابن حبان: ج ۴: ص ۱۵۹-۱۶۰)

- حافظ ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے کہا: ''وحماد بن أبي سليمان كثير الرواية خاصة عن إبراهيم المسند والمقطوع ورأى إبراهيم ويحدث، عن أبي وائل وعن غيرهما بحديث صالح ويقع في أحاديثه إفرادات وغرائب، وهو متماسك في الحديث لا بأس به''۔ (الکامل لابن عدی: ج ۳: ص ۸)

- حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''فقيه الكوفة أبو إسماعيل حماد بن أبي سليمان الأشعري، مولاهم. صاحب إبراهيم النخعي''۔ (العبر للذہبی: ج ۱: ص ۱۱۶)

* ایک اور جگہ فرمایا: ''وتفقه: بإبراهيم النخعي، وهو أنبل أصحابه وأفقههم، وأقيسهم، وأبصرهم بالمناظرة والرأي''۔ (سیر: ج ۵: ص ۲۳۱)

- امام ابو محمد عبد اللہ الیافعیؒ (م ۷۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''وفقيه الكوفة أبو إسماعيل حماد بن أبي سليمان صاحب إبراهيم النخعي''۔ (مرآۃ الجنان: ج ۱: ص ۲۰۱)

معلوم ہوا کہ ائمہ محدثین کے نزدیک، ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) سے روایت کرنے میں حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) مشہور

،معروف ،مکثر اور ثقہ بھی ہیں ،غالباً یہی وجہ ہے کہ ائمہ علل وائمہ محدثین کے نزدیک ،حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ)، ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) کی روایت میں اثبت الناس اور اعلم الناس بھی ہیں۔ چنانچہ

- امام علی بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) فرماتے ہیں کہ ''ومغيرة كان أعلم الناس بإبراهيم ما سمع منه وما لم يسمع، لم يكن أحد أعلم به منه حمل عنه وعن أصحابه، ثم كان أبو معشر وحماد، وحماد فوق أبي معشر ''۔(المعرفۃ والتاریخ: ج ۳: ص ۱۵)

یعنی امام علی بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) کے نزدیک، ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) کے سلسلے میں اعلم الناس ،مغیرۃ بن مقسمؒ (م ۱۳۶ھ) اور پھر حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) ہیں۔

لیکن ان کے شیخ، امام یحیی بن سعید القطانؒ (م ۱۹۸ھ) اور امام یحیی بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) کے نزدیک، مغیرۃ بن مقسمؒ (م ۱۳۶ھ) سے زیادہ ،حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) حدیث میں مطلق اثبت تھے۔ چاہے ابراہیم النخعیؒ کی روایت ہو یا کسی اور کی۔

- چنانچہ ابراہیم بن عبد اللہ بن الجنیدؒ کہتے ہیں کہ

''قلت ليحيى بن معين: مغيرة أحب إليك أو حماد بن أبي سليمان؟ فقال يحيى بن معين: أنا سمعت يحيى بن سعيد يقول: (حماد بن أبي سليمان أحب إلي من مغيرة)، فقلت ليحيى بن معين: (وأنت، مغيرة أحب إليك أو حماد؟)، قال: حماد أحب إلي، كما قال يحيى، قلت ليحيى بن معين: في إبراهيم؟ قال: في إبراهيم وغيره''

میں نے یحیٰی بن معین سے کہا: مغیرہ آپ کو زیادہ پسند ہیں یا حماد بن ابی سلیمان، تو یحیٰی بن معینؒ نے کہا: میں نے یحیٰی بن سعید کو کہتے سنا کہ حماد بن ابی سلیمان مجھے مغیرہ سے زیادہ پسند ہیں، تو میں نے یحیٰی بن معینؒ سے کہا: آپ کے نزدیک مغیرہ زیادہ پسندیدہ ہیں یا حماد؟ تو انہوں نے کہا حماد مجھے زیادہ پسند ہیں، جیسا کہ یحیٰی نے کہا، میں نے یحیٰی بن معینؒ سے کہا: ابراہیم کے باب میں؟ تو انہوں نے کہا: ابراہیم اور غیر ابراہیم دونوں کے باب میں۔ (سؤالات ابن الجنید: رقم ۲۸۵)

- ثقہ، ثبت، امام اسحاق بن منصور الکوسجؒ (م ۲۵۱ھ) کہتے ہیں کہ

''عن يحيى بن معين أنه سئل عن مغيرة وحماد أيهما أثبت؟ قال: حماد: وقال: حماد بن أبي سليمان ثقة''

ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ حمادؒ اور مغیرہؒ میں سے کون زیادہ اثبت ہیں؟؟ تو انہوں نے کہا: حماد اور حمادؒ ثقہ ہیں۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ج ۳: ص ۱۴۷)

معلوم ہوا کہ ابراہیم النخعیؒ کی روایت میں ان دونوں ائمہ کے نزدیک حمادؒ (م ۱۲۰ھ) اثبت الناس ہیں۔ اسی طرح، امام احمدؒ

کے نزدیک بھی امام حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ)، مغیرہؒ سے زیادہ اثبت تھے۔

- امام ابوداودؒ (م ۲۷۵ھ) کہتے ہیں کہ ''قلت لأحمد: مغيرة أحب إليك في إبراهيم, أو حماد؟ قال: أما فيما روى سفيان و شعبة عن حماد, فحماد أحب إليّ؛ لأن في حديث الآخرين عنه تخليطًا''

میں نے امام احمدؒ سے کہا: ابراہیم کے باب میں آپ کو مغیرہ زیادہ پسند ہیں یا حماد؟ تو انہوں نے فرمایا: حماد سے سفیان اور شعبہ نے جو روایتیں لی ہیں ان میں تو مجھے حماد زیادہ پسند ہیں، اس لئے کہ دوسروں کی ان سے (روایت کردہ) حدیث میں تخلیط ہے۔ (سؤالات ابی داود: رقم ۳۳۸)

یعنی امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) کے نزدیک، حمادؒ (م ۱۲۰ھ) جب سفیان، شعبہ وغیرہ حضرات روایت کریں، تو وہ مطلقاً، ان کو مغیرہؒ سے زیادہ محبوب ہونگے، چاہے وہ ابراہیم سے روایت کریں، یا غیر ابراہیم سے۔

خلاصہ یہ کہ ائمہ علل وائمہ محدثین کے نزدیک، امام حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ)، ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) کی روایت میں مشہور، معروف، مکثر، اثبت الناس اور اعلم الناس ہیں۔

اور امام عبداللہ بن زبیر الحمیدیؒ (م ۲۱۹ھ) کہتے ہیں کہ

''وإن كان رجل معروفا بصحبة رجل والسماع منه, مثل ابن جريج عن عطاء أو هشام بن عروة عن أبيه وعمرو بن دينار عن عبيد بن عمير, ومن كان مثل هؤلاء في ثقتهم, ممن يكون الغالب عليه السماع ممن حدث عنه, فأدرك عليه أنه أدخل بينه وبين من حدث رجلا غير مسمى, أو أسقطه, ترك ذلك الحديث الذي أدرك عليه فيه أنه لم يسمعه, ولم يضره ذلك في غيره, حتى يدرك عليه فيه مثل ما أدرك عليه في هذا, فيكون مثل المقطوع''

اگر کوئی مدلس راوی کسی استاد کی صحبت اور اس سے روایت کرنے میں معروف ہے مثلاً ابن جریج عن عطاء، ہشام بن عروۃ عن ابیہ اور عمرو بن دینار عن عبید بن عمیر وغیرہ۔

لہذا جو کوئی راوی اپنے ثقہ شیخ سے اس طرح ہو، کہ وہ اپنے شیخ سے روایت کرنے میں مکثر ہو، پھر وہ راوی اپنے اور شیخ سے روایت کرنے میں نامعلوم فرد کو داخل کرے، تو صرف نامعلوم فرد والی روایت کو ترک کیا جائے گا اور اس نامعلوم فرد کی روایت سے، اس راوی کی دیگر روایات کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، یہاں تک کہ وہ نامعلوم فرد دیگر روایت میں آجائے تو وہ نامعلوم فرد کی روایت، منقطع روایت کی طرح ہوگی۔ (الکفایۃ للخطیب: ص ۳۷۴، وسندہ صحیح)

- قریب قریب یہی بات، امام ابوالحسین، مسلم بن الحجاج القشیریؒ (م ۲۶۱ھ) نے بھی کہی ہے۔ (صحیح مسلم: ج ۱: ص ۳۰،

ت فوائد عبد الباقی)[۱]

لہذا اس اصول کی روشنی میں اگر امام حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ)، ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) سے روایت کرنے میں کبھی کسی روایت میں نامعلوم شخص کو داخل کریں، تو صرف وہ خاص نامعلوم شخص کی روایت متروک ہوگی۔ لیکن اس نامعلوم فرد کی روایت کی وجہ سے، ان کی ابراہیم النخعیؒ سے مروی دیگر روایات پر کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور ان کی ان سے دیگر روایات صحیح وسالم ہونگی یہاں تک وہ نامعلوم شخص دیگر روایت میں بھی ظاہر ہو جائے۔

کیونکہ امام حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ)، ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) سے روایت کرنے میں ثقہ، مشہور، معروف، مکثر، اثبت الناس، اور اعلم الناس ہیں۔ نیز وہ ''صاحب ابراھیم'' کی حیثیت سے معروف ومشہور ہیں۔ لہذا ''حماد عن ابراھیم'' کی روایات مقبول ہونگی۔

اب زبیر علی زئی صاحب کے مضمون کو مع جواب ملاحظہ فرمائیں:

* حماد عن ابراہیم پر اہل علم کی خاص جرح

۱: امام احمدؒ نے فرمایا: ''حدثنا عثمان بن عثمان، قال اخبرنا البتی قال: کان حماد اذا قال برأیه اصاب، واذا قال قال ابراهیم، اخطأ''، یعنی حماد جب اپنی رائے سے کہیں تو درست اور جب ''قال ابراہیم'' کہیں تو غلطی کرتے ہیں۔ (**العلل ومعرفۃ**

---

(۱) امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) کے الفاظ یہ ہیں: فيقال له: فإن كانت العلة في تضعيفك الخبر، وتركك الاحتجاج به إمكان الإرسال فيه، لزمك أن لا تثبت إسنادا معنعنا حتى ترى فيه السماع من أوله إلى آخره" وذلك أن الحديث الوارد علينا بإسناد هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة فبيقين نعلم أن هشاما قد سمع من أبيه، وأن أباه قد سمع من عائشة، كما نعلم أن عائشة قد سمعت من النبي صلى الله عليه وسلم، وقد يجوز إذا لم يقل هشام في رواية يرويها عن أبيه: سمعت، أو أخبرني، أن يكون بينه وبين أبيه في تلك الرواية إنسان آخر، أخبره بها عن أبيه، ولم يسمعها هو من أبيه، لما أحب أن يرويها مرسلا، ولا يسندها إلى من سمعها منه، وكما يمكن ذلك في هشام، عن أبيه، فهو أيضا ممكن في أبيه، عن عائشة، وكذلك كل إسناد لحديث ليس فيه ذكر سماع بعضهم من بعض، وإن كان قد عرف في الجملة أن كل واحد منهم قد سمع من صاحبه سماعا كثيرا، فجائز لكل واحد منهم أن ينزل في بعض الرواية، فيسمع من غيره عنه بعض أحاديثه، ثم يرسله عنه أحيانا، ولا يسمي من سمع منه، وينشط أحيانا فيسمي الذي حمل عنه الحديث ويترك الإرسال، وما قلنا من هذا موجود في الحديث مستفيض، من فعل ثقات المحدثين وأئمة أهل العلم۔ (صحیح مسلم: ج ۱: ص ۳۰، ت فوائد عبد الباقی)

الرجال ۱/ ۴۰۴، ت ۱۹۵۳ وسندہ صحیح، مسائل حرب الکرمانی ۳/ ۱۳۱۲)

عثمان بن عثمان کی طرح حماد بن سلمہ نے عثمان بن مسلم البتی سے یہی نقل کیا کہ ''**کان حماد بن ابی سلیمان اذا قال برایه اصاب و اذا حدث عن ابراهیم اخطا**''۔(**کتاب الضعفاء للعقیلی ۲/ ۱۵۰** وسندہ حسن)

یہ الفاظ اسی طرح درج ذیل کتب میں بھی موجود ہیں:

۱: المعرفۃ والتاریخ للفسوی (۲/ ۲۹۳)

۲: التاریخ الکبیر للبخاری (۶/ ۲۴۳)

۳: تہذیب الکمال للمزی (۷/ ۲۷۶)

۴: المنتخب من علل الخلال لابن قدامۃ المقدسی (۲۴۴)

۵: شرح علل الترمذی لابن رجب (۲/ ۸۵۳) وغیرہ

محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''امام بیہقیؒ نے ''حماد عن ابراہیم'' کے واسطہ سے ان کا فتوی جو کتاب الآثار میں ہے، نقل کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، ''**حماد اذا قال برایه اصاب، و اذا قال قال ابراهیم اخطا**'' کہ حمادؒ جب اپنی رائے سے کہیں تو درست ہوتا ہے اور جب ابراہیمؒ کا قول بیان کریں، تو غلطی کرتے ہیں، یہی بات امام ابوحاتمؒ نے بھی کہی ہے''۔(**مقالات ۳/ ۱۳۹**)

اس خاص جرح کی تائید خود حماد بن ابی سلیمان کے اپنے قول سے بھی ہوتی ہے جو ہم سابقہ سطور میں مقدمہ جرح وتعدیل (ص ۱۶۵) کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں، لہذا ہماری زیر بحث روایت اس خاص جرح کی وجہ سے بھی ضعیف ہی ٹھہرتی ہے۔

شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ الراشدیؒ لکھتے ہیں: ''واضح ہو محدثین عظامؒ نے حماد بن ابی سلیمان پر خاص طور پر اس کی ابراہیم نخعی سے روایت بیان کرنے میں کلام کیا ہے۔'' (**مقالات راشدیہ ۳/ ۴۰۶، ۴۰۷**)[۱]

---

(۱)　بڑی تعجب کی بات ہے کہ زبیر علی زئی صاحب اور ارشاد الحق اثری وغیرہ حضرات، جو کہ علم حدیث میں شہرت رکھتے ہیں، مگر ان حضرات نے حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) کے سلسلے میں تشدد سے کام لیا ہے۔ کیونکہ

اولاً　جرح وتعدیل کے ائمہ، امام یحیی بن سعید القطانؒ (م ۱۹۸ھ)، امام یحیی بن معینؒ (م ۲۳۳ھ)، امام علی بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) وغیرہ کے نزدیک، تو امام حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ)، ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) کی روایت میں اثبت الناس اور ان کے سلسلے میں اعلم الناس ہیں۔ کمامر

اہم تنبیہ:

دوم　　ان ائمہ جرح وتعدیل وائمہ علل کے مقابلے میں ان دونوں حضرات نے ثقہ، فقیہ، عثمان البتیؒ (م ۱۴۳؁ھ) کے قول کو کس بنیاد پر ترجیح دی ہے، یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ کیونکہ عثمان البتیؒ (م ۱۴۳؁ھ) نہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں اور نہ ائمہ علل سے۔ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸؁ھ) نے ان کو "ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل" میں بھی شمار نہیں کیا، اور جرح وتعدیل میں اہل جرح وتعدیل کا قول مقدم ہوتا ہے۔

لہذا "حماد بن ابی سلیمان عن ابراہیم" کی سند کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے، عثمان البتیؒ (م ۱۴۳؁ھ) کے قول کو، ان ائمہ جرح وتعدیل اور ائمہ علل کے مقابلے میں ترجیح دینا کھلا تشدد ہے۔

خلاصہ یہ کہ عثمان البتیؒ (م ۱۴۳؁ھ) کے قول، ائمہ جرح وتعدیل اور ائمہ علل کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

سوم　　زبیر صاحب کا قول: "اس خاص جرح کی تائید خود حماد بن ابی سلیمان کے اپنے قول سے بھی ہوتی ہے" بھی غیر صحیح ہے۔ کیونکہ حماد، ابراہیم سے روایت کرنے میں مکثر ہیں اور امام حمیدیؒ (م ۲۱۹؁ھ) اور امام مسلمؒ (م ۲۶۱؁ھ) کے حوالے سے اصول گزر چکا کہ اگر کوئی مدلس راوی کسی استاد کی صحبت اور اس سے روایت کرنے میں معروف ہے کہ وہ اپنے شیخ سے روایت کرنے میں مکثر ہو، پھر وہ راوی اپنے اور شیخ سے روایت کرنے میں نامعلوم فرد کو داخل کرے، تو صرف نامعلوم فرد والی روایت کو ترک کیا جائے گا اور اس نہ معلوم فرد کی روایت سے، اس راوی کی دیگر روایات کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

لہذا حمادؒ (م ۱۲۰؁ھ) کا ابراہیمؒ (م ۹۶؁ھ) سے روایت کرنے میں جب تک کوئی نامعلوم فرد ظاہر نہ ہوجائے، اس وقت تک "حماد عن ابراہیم" کی سند حجت ہوگی۔ اس لئے کہ حمادؒ، ابراہیمؒ سے روایت کرنے میں اثبت الناس اور اعلم الناس ہیں۔

لہذا حمادؒ کے اپنے قول سے بھی زبیر صاحب کے موقف کو کوئی تائید حاصل نہیں ہوگی۔

چہارم　　اثری صاحب کا قول: "امام بیہقیؒ نے "حماد عن ابراہیم" کے واسطہ سے ان کا فتوی جو کتاب الآثار میں ہے، نقل کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے"، تو عرض ہے کہ کیا ثقہ راوی سے غلطی نہیں ہوسکتی، خود ارشاد الحق اثری صاحب کہتے ہیں کہ حدیث میں ایسی غلطیوں سے امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، شعبہؒ، یحیی بن سعیدؒ، ایسے حفاظ واثبات بھی محفوظ نہ رہ سکے تو وہ آخر انسان ہی ہیں اور خطا ونسیان انسان کے خمیر میں ہے۔ امام ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ وہم سے کون محفوظ رہا ہے، امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ جو غلطی کر جائے مجھے اس پر تعجب نہیں۔ تعجب اس پر ہے جو صحیح صحیح بیان کرتا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ خطا وتصحیف سے کون بچ سکتا ہے۔ (**توضیح الکلام: ص ۹۲۷**)، یعنی کہنا یہ ہے کہ اگر حمادؒ سے ابراہیم النخعیؒ کی روایت میں کچھ خطاء ہوئی ہو، تو اس سے ان کا ابراہیم کی روایت میں ضعیف ہونا، ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث کے اہل علم جانتے ہیں، کیونکہ ابراہیمؒ سے روایت کرنے میں وہ مکثر، اثبت الناس اور اعلم الناس ہیں۔ واللہ اعلم

پنجم　　اثری صاحب کا قول: "یہی بات امام ابو حاتمؒ نے بھی کہی ہے" بھی ابراہیم النخعیؒ کی روایت کے سلسلے میں خاص نہیں ہے، بلکہ انہوں نے مطلقاً حمادؒ (م ۱۲۰؁ھ) پر کلام کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: "هو صدوق لا يحتج بحديثه، وهو مستقيم في الفقه، فإذا جاء الآثار

طبقات ابن سعد (۸ / ۴۵۲) کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: **"وکان حماد اذا قال برایہ اصاب و اذا قال عن غیر ابراھیم اخطا"۔**

اس روایت کو بنیاد بنا کر ہمارے ایک بھائی نے لکھا: ''اگر حماد کے اختلاط کو تسلیم بھی کیا جائے، تو اس کو ابراہیم کے علاوہ دیگر کی روایات پر محمول کیا جائے گا''۔

پیارے بھائی! یہ اسی صورت میں ممکن تھا، جب طبقات ابن سعد کی روایت درست ہوتی، جبکہ یہ شاذ یا سہو پر مبنی ہے، جمہور اہل علم اسے ''غیر'' کے بغیر ہی بیان کررہے ہیں، علاوہ ازیں سلام ابی المنذر اپنے سے اوثق حماد بن ابی سلمہ اور عثمان بن عثمان دو راویوں کی بھی مخالفت کررہا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں ''غیر'' کا اضافہ درست نہیں اور یہ روایت شاذ ہے، جو لائق حجت و استدلال نہیں۔

نیز لکھتے ہیں: ''شاید اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے ابراہیم کی روایت جو حماد بیان کرے، محفوظ کہا ہے۔''

امام بخاریؒ کم از کم اس وجہ سے تو محفوظ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ انھوں نے خود اپنی کتاب التاریخ الکبیر میں یہی قول نقل فرمایا ہے کہ **"کان حماد اذا قال برایہ اصاب و اذا قال عن ابراھیم اخطا"**۔(۶ / ۲۳۴)

یہ بھی یاد رہے کہ کسی محدث کا حدیث کو محض صحیح یا حسن کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں موجود علت قادحہ، غیر قادحہ بن جاتی ہے، کیونکہ اس کی کئی وجوہ ہیں:

۱: بعض اوقات علت قادحہ محدث سے اوجھل بھی رہ سکتی ہے۔

۲: محدث کے پیش نظر کوئی اور صحیح یا حسن لذاتہ حدیث بھی ہوتی ہے،

۳: اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو جمہور محدثین کے نزدیک علت قادحہ ہو، وہ اس ایک محدث کے نزدیک نہ ہو، وغیرہ۔

ہمارے بھائی نے العلل الکبیر (۴۰۴) سے ایک روایت نقل کی، جس کے آخر میں امام بخاری کی طرف منسوب قول: **"ارجو ان یکون محفوظا"** مذکور ہے اور اسی سے انھوں نے اپنے خود ساختہ موقف کو سہارا دینے کی کوشش کی ہے۔

اس سے قطع نظر کہ العلل الکبیر کی نسبت امام ترمذیؒ کی طرف درست ہے یا نہیں، اگر ہمارے بھائی متصل بعد والی روایت

شوش''، جو کہ جمہور ائمہ کی توثیق کی وجہ سے مقبول نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ ائمہ جرح و تعدیل و ائمہ علل کے نزدیک، ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) کی روایت میں حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ) ثقہ، بلکہ اثبت الناس اور اعلم الناس ہیں اور ''حماد عن ابراہیم'' کی سند کو ضعیف کہنا مردود ہے۔

بھی پڑھ لیتے تو انھیں ''ارجو ان یکون محفوظا''کا پس منظر بھی معلوم ہو جاتا، چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

''**وسالت محمدا عنه، یعنی حدیث الحسن عن علی بن ابی طالب: رفع القلم الحدیث فقال: الحسن قد ادرک علیا و هو عندی حدیث حسن۔**'' (العلل الکبیر: ۴۰۵)

اس مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوجاتا ہے کہ امام بخاریؒ نے حدیث عائشہؓ کو محفوظ ''حماد عن ابراہیم'' طریق کو درست تسلیم کر کے نہیں کہا، بلکہ حدیث علی بن ابی طالبؓ کی وجہ سے کہا ہے، جوان کے نزدیک حسن درجے کی ہے۔ واللہ اعلم

موصوف مزید لکھتے ہیں: ''اسی طرح امام حاکمؒ نے مستدرک میں حماد کی روایات عن ابراہیم کو ذکر فرما کے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے موافقت کی ہے۔''

تو عرض ہے کہ یہ کوئی اصولی بات نہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل علم ایسی صورت میں نقد کرتے آئے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ایک روایت پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا: ''**وغفل ابن حبان و الحاکم عن علته فصححاه**'' ابن حبان اور حاکم، اس کی علت سے غافل رہے، تو ان دونوں نے اسے صحیح قرار دے دیا۔ (**نتائج الافکار ۱ / ۱۰۲**)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں: ''**فی اسناده محمد بن اسحاق و هو مدلس و قد رواه عن عبد الرحمن بن الاسود معنعناً فکیف یکون اسناده حسناً او صحیحاً و تساهل الترمذی و الحاکم مشهور**''۔ (**ابکار المنن فی تنقید آثار السنن: ص ۴۹۵**)

یعنی علامہ مبارکپوریؒ نے علت قادحہ کے مقابلے میں حاکم کی تصحیح اور امام ترمذی کی تحسین رد کر دی، ہماری زیر بحث روایت میں بھی خاص جرح کے مقابلے میں عام تصحیح لائق التفات نہیں۔

موصوف نے حماد کی روایت کو اختلاط سے پاک کرنے کے لئے ایک عذر یہ پیش کیا کہ ''ابراہیم کی روایات کو یاد رکھنے کی وجہ شاید یہی ہے کہ حماد ان کی روایات کو لکھتا تھا اور اختلاط یسیر والا راوی، اس عارضہ سے قبل جب روایات لکھتا ہو۔۔۔ غلطی کا احتمال جاتا رہ گیا۔''

عرض ہے کہ آپ کی مذکورہ بات کو قدرے حیثیت اسی صورت میں مل سکتی تھی، جب حماد، ابراہیم سے صرف وہی روایات بیان کرتا، جو تحریر شدہ تھیں، لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے، لکھی ہوئی تو درکنار حماد، ابراہیم سے وہ روایات بھی بیان کرتا تھا، جو سرے سے اس نے سنی ہی نہیں ہوئی تھی، اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

امام شعبہؒ کا بیان ہے، مجھے حماد نے ابراہیم سے ایک روایت بیان کی، تو میں نے پوچھا: ''**من اخبرک؟ سمعت هذا من**

ابراھیم؟" آپ سے کس نے بیان کی؟ کیا آپ نے یہ ابراہیم سے خود سنی ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، میں نے کہا: (پھر) آپ سے کس نے بیان کی؟ (حماد نے) کہا: مجھے منصور نے بیان کی ہے۔ (شعبہ نے) کہا: تو میں نے منصور کے پاس آکر کہا: مجھے حماد نے آپ کے ذریعہ سے ابراہیم کی روایت بیان کی ہے، کیا آپ نے ابراہیم سے سنی ہے؟ (منصور نے) کہا: نہیں، مجھے تو مغیرہ نے ابراہیم سے بیان کی ہے، پھر میں مغیرہ سے ملا، میں نے کہا: آپ نے ابراہیم سے یہ اور یہ بیان کیا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، میں نے کہا: آپ نے ان سے سنا ہے؟ کہا: نہیں مجھے تو حماد نے بیان کی۔ (امام شعبہؒ نے) کہا: میری بڑی خواہش تھی کہ میں یہ جان سکوں، سب سے پہلے یہ روایت بیان کرنے والا کون ہے؟ لیکن میرے لئے یہ ممکن نہ ہوسکا۔ (**آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم: ص ۱۶۷، ۱۶۸ وسندہ صحیح**)

اس ایک واقعہ سے حماد عن ابراہیم کی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے، موصوف نے شاید لاعلمی میں کمزور بنیاد عمارت کھڑی کرنے کا سوچ لیا ہے۔ [۱]

ہمارے محترم بھائی نے ایک عذر مزید کشید کرنے کی کوشش فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: "حماد کا ابراہیم کے حوالے پ.ختہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ابراہیم کی وفات کے بعد لوگ ابراہیم سے صادر شدہ فتاویٰ جات ان ہی سے پوچھتے تھے۔"

یہ بھی طفل تسلی سے بڑھ کر کچھ نہیں، کیونکہ روایت بیان کرنے میں فقہی احکام ومسائل بیان کرنے میں فرق ہے۔

---

(۱) کتاب الآثار لابی یوسف میں "حماد عن ابراہیم" کی تقریباً "۶۰۰" سے زائد روایتیں موجود ہیں، تقریباً یہی تعداد، امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں بھی ہے۔ المصنف لعبد الرزاق میں "۲۰۰" سے زائد ہیں اور مصنف ابن ابی شیبۃ میں "۳۰۰" سے زائد روایتیں موجود ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ اگر بالفرض "حماد عن ابراہیم" کی روایتیں [مکررات کو حذف کرکے] کتبِ حدیث میں، بالفرض "۸۰۰" ہوتی ہیں، اور ہمارے مہربان حضرات، اگر حمادؒ کی ابراہیمؒ کی روایات میں سے، کوئی "۸" روایتوں میں حماد کی خطاء ثابت کردیتے ہیں، تو اب "۸" روایتوں میں خطاء ہونے کی وجہ سے، کیا ہمارے مہربان حضرات، حماد عن ابراہیم کی "۷۹۲" روایتوں کو بھی رد کریں گے؟

ظاہری بات ہے کہ زبیر علی زئی صاحب اور ارشاد الحق اثری صاحب وغیرہ نے یہاں پر ائمہ علل وائمہ محدثین کو ترک کرکے، عثمان البتیؒ کے قول ترجیح دے کر، بنیادی غلطی کردی، اب اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کے لئے، یہ حضرات "حماد عن ابراہیم" کی روایتوں میں حماد کی خطاء ثابت کرنے کے لئے چند روایتوں ذکر کررہے ہیں، حالانکہ حدیث میں ایسی غلطیوں سے سفیان ثوریؒ، شعبہؒ ایسے حفاظ واثبات سے بھی ہوئی ہے، جس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ اب ان حضرات کی "۸ یا ۱۰" احادیث میں غلطیوں کو ذکر کرکے، کوئی ان کو "یخطی و یھم" کہنا شروع کردے، تو کیا یہ انصاف ہوگا؟؟ پس یہی حرکت زبیر علی زئی صاحب اور ارشاد الحق اثری صاحب نے کی ہے۔ (اللہ تعالی ان کی غلطی کو معاف فرمائے۔ آمین)

حماد بن ابی سلیمان کے بارے میں تو بعض محدثین خود تفریق کر کے انھیں فقہ میں ثابت اور روایت میں غیر ثابت قرار دے چکے ہیں، چنانچہ امام ابوحاتمؒ نے فرمایا: ''**هو صدوق و لا يحتج بحديثه و هو مستقيم فى الفقه و اذا جاء الآثار شوش**'' یعنی صدوق ہے، حدیث میں حجت نہیں، البتہ فقہ میں مستقیم ہے اور جب روایت بیان کرتا ہے، تو گڈ مڈ کر دیتا ہے۔ (**الجرح والتعدیل ۳/۱۴۷-۱۴۸**)

شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ الراشدیؒ لکھتے ہیں: ''لیث کا استاد حماد بن ابی سلیمان ہے، وہ بھی ضعیف و مجروح راوی ہے، ابوحاتمؒ نے فرمایا: کہ صدوق ہے، اس کی حدیث قابل حجت نہیں، وہ فقہی روایات کو بیان کرنے میں مستقیم ہے۔'' (**مقالات راشدیہ ۳/۴۰۶**)۔۔۔۔(**نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ: ص ۹-۱۵**)[۱]

---

(۱) جو حضرات، اللہ تعالی کے یہاں مقبول ہوئے ہیں اور اتنی سدیوں کے بعد بھی، امت ان کو یاد کر کرتی ہیں، ان کا ذکر کرتے وقت یہ لہجہ اختیار کرنا کہ ''جب روایت بیان کرتا ہے، تو گڈ مڈ کر دیتا ہے''، بلکہ حمادؒ کو ضعیف اور مجروح قرار دینا، اہل علم کی شان نہیں ہے۔

باقی حماد بن ابی سلیمانؒ (م ۱۲۰ھ)، ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶ھ) کی روایت میں ثقہ، اثبت الناس اور اعلم الناس ہیں۔ ان کو کسی بھی صورت میں ضعیف کہنا مردود ہے اور ''حماد عن ابراہیم'' کی سند، ائمہ جرح و تعدیل و ائمہ علل کے یہاں حجت ہیں۔ واللہ اعلم

یاداشت

AL IJMA FOUNDATION YOUTUBE CHANNEL :

https://www.youtube.com/alijmaorg

YouTube SUBSCRIBE :

https://www.youtube.com/c/alijmaorg?sub_confirmation=1Alijma

WEBSITE : www.alijma.com

AL IJMA TWITTER : @alijmaofficial

FACEBOOK : https://m.facebook.com/alijmaOfficial/

AL IJMA EMAIL : Info@alijma.com

WHATSAPP : +91 8097867973

AL IJMA CONTACT : +91 9987925955

FOR MORE YouTube VIDEOS VISIT:

https://www.youtube.com/alijmaorg

E-mail : khan810619@gmail.com

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن